جاسوسی ڈائجسٹ : جولائی 2001
سُلگتے رشتے
کاشف زبیر
سیف الملوک عباسی
محمد نعمان
محمد سجاد بھٹی

تیسرا رنگ

سلگتے رشتے

کاشف زبیر

رشتوں کی ڈور میں بندھے انسان ایک دوسرے کے دُکھ درد میں شریک ہوتے ہیں۔ رشتے انسان کا حوصلہ بڑھاتے ہیں لیکن کبھی کبھی رشتوں کی یہ ڈور دولت کے کانٹوں میں اُلجھ کر عذاب بھی بن جاتی ہے۔ ایسا عذاب جو انسانی جانوں سے کھیلنے لگتا ہے۔ اس بھرے پُرے خاندان کا المیہ بھی یہی تھا۔ رشتوں کی ڈور اُلجھتی چلی جارہی تھی۔ فرشتۂ اجل نے گھر دیکھ لیا تھا اور ان پُراسرار حادثاتی اموات کا کوئی سبب سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔

وہ بے حد اُداس تھی۔ اس کا دل رونے کو چاہ رہا تھا لیکن بچوں کے کھلکھلاتے چہرے اسے روکے ہوئے تھے پھر ڈرائیونگ کے دوران میں رونا مناسب بھی نہیں تھا۔ اس کے برابر والی سیٹ خالی تھی۔ تینوں بچے پچھلی نشست پر بیٹھے تھے۔ چودہ سالہ احمر واک مین سُن رہا تھا۔ اس سے چھوٹی شینا اپنے لیپ ٹاپ پر گیم کھیل رہی تھی جبکہ دس سال کا ارشد اس کے کھیل میں مداخلت کررہا تھا۔ اس کی وجہ سے شینا دوبارہ گیم کھیلنے پر مجبور ہوئی تھی۔ آخر اس نے دھمکی دی "تمہاری باری بھی آئے گی نا پھر دیکھنا۔"

"کیا دیکھنا۔" ارشد نے شرارت سے غلط بٹن دباتے ہوئے کہا' گیم پھر اوور ہوگیا۔ شینا نے غصے سے اسے دیکھا اور لیپ ٹاپ بند کردیا۔ اس پر ارشد اسے منانے میں لگ گیا۔ وہ عقبی آئینے میں ان تینوں کو دیکھ رہی تھی پھر اس کا دھیان برابر والی خالی نشست کی طرف چلا گیا۔ کچھ عرصے پہلے یہ نشست خالی نہیں ہوا کرتی تھی۔ اس پر وہ بیٹھا کرتی تھی اور عمران گاڑی چلاتا تھا جو اس کا شوہر اور چچا زاد ہی نہیں بلکہ محبوب بھی تھا۔ ایبٹ آباد کی پُرفضا وادی میں آباد اس قدامت پرست خاندان میں وہ دونوں ہی روشن خیالی کے اولین نمائندے تھے کیونکہ انہوں نے تعلیم شہر میں حاصل کی تھی۔ عمران نے ایم بی اے کیا تھا اور پھر شہر میں ہی ملازمت کرنے لگا جس کا دادا جان زرین خان نے برا منایا تھا۔ ان کے خاندان میں زیادہ سے زیادہ فوج کی نوکری کی جاتی تھی۔ ہر چند کہ عمران نے انہیں سمجھایا کہ تعلیم ہی کافی نہیں ہوتی اس کے ساتھ تجربہ بھی لازمی تھا لیکن ان کی ایک ہی رٹ تھی کہ عمران کو شہر میں رہنا ہے تو شوق سے رہے لیکن نوکری نہیں کرسکتا۔

"تو پھر کیا کروں؟" اس نے تنگ آکر کہا۔

"اپنا کاروبار کرو۔" دادا جان نے اطمینان سے کہا۔

"اس کے لیے رقم کی ضرورت ہوتی ہے۔" عمران بولا تو زرین خان کو طرارہ آگیا۔ وہ گرج کر بولے۔

"تم رقم کی بات کرتے ہو۔ تم بھول گئے کہ تم زرین خان کی اولاد ہو جس کا تھوکا بھی قیمت رکھتا ہے۔ بولو کتنی رقم چاہیے؟"

عمران بول کر پچھتا رہا تھا۔ اس نے مرے ہوئے انداز میں کہا "دس بارہ لاکھ سے کم کیا لگیں گے۔"

اتنی رقم کا سن کر زرین خان بھی ایک لمحے کو چپ سے ہوگئے لیکن زبان دے چکے تھے۔ "رقم تمہیں مل جائے گی۔"

"لیکن بابا جان ..." اس نے کہنا چاہا کہ دوسرے اعتراض کریں گے۔ اس کے چاچوں اور تاؤں کے بیٹے تھے۔ وہ اس سے جلتے بھی تھے۔ خاص طور سے اسد جو اس کے تایا کا سب سے بڑا بیٹا تھا۔ وہ میٹرک کرکے ان دنوں آوارہ گردیوں میں مصروف تھا۔ رقم کی اسے کبھی پروا نہیں رہی تھی۔ دولت مند خاندان کا چشم و چراغ تھا جس کی زمینیں میلوں کے رقبے پر پھیلی تھیں۔ بظاہر وہ ایک دوسرے سے ہنس کر ملتے تھے لیکن دونوں کے دلوں میں ایک کھنچاؤ تھا جس کا اصل سبب آمنہ تھی۔ کنچے جیسی سبز آنکھوں اور سنہرے لچھے دار بالوں والی آمنہ جو زرین خان کی اتنی چہیتی تھی کہ انہوں نے خاندانی رواج کو توڑتے ہوئے اسے پانچویں سے آگے پڑھنے کی اجازت دے دی تھی ورنہ خاندان کی کوئی دوسری لڑکی پرائمری سے آگے نہیں جاسکتی تھی۔ جن دنوں عمران ایم بی اے کررہا تھا' وہ انٹر کا امتحان دے رہی تھی۔ اس کے بعد وہ یونیورسٹی میں پڑھنے کے منصوبے بنارہی تھی

اور اس کے لیے دادا کو ہموار بھی کر رہی تھی۔ خاصی ردوکد کے بعد زرین خان نے اسے شہر جا کر یونیورسٹی میں پڑھنے کی اجازت دے دی تھی۔ اس کے منجھلے تایا اس کے حامی تھے لیکن بڑے تایا مخالفت کر رہے تھے۔ عمران کے باپ صنوبر خان نے بھی آمنہ کے یونیورسٹی میں پڑھنے کی حمایت کی تھی۔ باقی سارا خاندان مخالفت میں تھا۔ اگر زرین خان فیصلہ نہ کرتے تو اس کا اعلیٰ تعلیم کا خواب' خواب ہی رہتا۔

عمران کے باپ سمیت زرین خان کے پانچ بیٹے تھے۔ سب سے بڑا محبوب خان تھا جس کے تین بیٹے اسد' احد اور فرحت اور ایک بیٹی زرمینہ تھی۔ اس سے چھوٹے ایوب خان کی صرف ایک بیٹی ماہ نور تھی پھر عمران کا باپ صنوبر خان تھا۔ عمران کے علاوہ اس کی ایک بیٹی شہناز تھی۔ اس سے چھوٹا منور خان لاولد تھا حالانکہ اس نے دو بار شادی کی تھی۔ سب سے چھوٹا انور خان تھا۔ اس کی ایک بیٹی آمنہ خان اور تین بیٹے تھے لیکن بدقسمتی سے وہ سب بچپن میں ہی انتقال کر گئے تھے۔ یہ پورا گھرانہ ایک بڑی فصیل میں مقید دو حویلیوں میں رہتا تھا۔ محبوب خان اور انور خان شمالی حویلی میں رہتے تھے جبکہ جنوبی حویلی جو بڑی حویلی بھی کہلاتی تھی' اس میں زرین خان سمیت باقی بھائی اور ان کے بیوی بچے رہتے تھے۔ قلعہ نما فصیل زرین خان کی جاگیر کے شمال میں نسبتاً بلندی پر تھی۔ وادی کے نشیب میں آباد تین گاؤں کے باشندے ان کی زمینوں پر کام کرتے تھے اور یہاں کی اکثر زمین زرین خان کی جاگیر میں شامل تھی۔

جب آمنہ یونیورسٹی میں پڑھنے آئی تو عمران اسلام آباد میں ملازمت کر رہا تھا جو زیادہ...... دن جاری نہ رہ سکی پھر زرین خان نے اسے کاروبار کے لیے دس لاکھ کی خطیر رقم دی۔ کسی کو نہیں معلوم تھا کہ یہ رقم کہاں سے آئی۔ جاگیر بے شک بہت بڑی تھی لیکن اس کے خرچے بھی اتنے ہی بڑے تھے اور بچتا کم ہی تھا۔ زرین خان کا ہاتھ ویسے ہی بہت کھلا تھا اور وہ اپنے غریب رشتے داروں کے علاوہ عام لوگوں پر بھی کھل کر خرچ کرتے تھے۔ زمین زرخیز تھی مگر موسمی حالات اتنے اچھے نہیں تھے۔ سال میں دو بار فصل ہوتی تھی۔ مکئی کے ساتھ سورج مکھی اور تھوڑی بہت تمباکو کاشت ہوتی تھی۔ ان فصلوں سے صرف خرچ پورا ہوتا تھا۔ اوپری زمین پیں سیب اور خوبانی کے باغات تھے لیکن ان کی آمدنی بھی اتنی نہیں تھی کہ زرین خان کے پاس دس لاکھ کی رقم آجاتی اور وہ رقم اپنے پوتے کو کاروبار کے لیے دے دیتے۔ دیکھا دیکھی دوسروں نے بھی تقاضے شروع کر دیے۔ خاص طور سے محبوب اور ایوب نے کھل کر کہہ دیا۔

"ہم زمین بہتر بنانے کے لیے رقم مانگتے تھے تو آپ نے دی نہیں اور اس کل کے چھوکرے کو دس لاکھ اٹھا کر دے دیے۔"

زرین خان کا جواب خاصا تلخ ہوتا تھا۔ "تم لوگ کسی قابل ہوتے تو آج جاگیر اتنے بُرے حالوں میں نہ ہوتی۔ ہم سے کہیں کم زمین رکھنے والے ہم سے کہیں زیادہ کما رہے ہیں۔ تم لوگوں کو میں نے کئی بار رقم دی ہے لیکن تم لوگوں نے اسے اڑا کر رکھ دیا۔ زمین پر ایک پیسہ بھی خرچ نہیں کیا۔"

دونوں بھائی کھسیا گئے...... "آخر ہماری بھی ضرورتیں ہیں۔"

"ضرورتیں نہیں فضول شوق کہو۔ مرغ بازی اور بٹیر لڑانا فضول شوق ہی ہیں۔"

صنوبر اور منور خان بالائی زمین کے باغات کی دیکھ بھال کرتے تھے اور وہ اپنے بڑے بھائیوں کی نسبت کہیں زیادہ محنت کرتے تھے۔ باغات بہت پرانے تھے۔ درخت بوڑھے اور کم پیداوار دینے والی نسلوں کے تھے۔ دونوں بھائی رفتہ رفتہ درختوں کو نئی نسل کے زیادہ پیداوار دینے والے درختوں سے بدل رہے تھے۔ ان کے پاس اتنی رقم نہیں تھی کہ تمام باغات کی حالت بدل سکتے۔ سیب کے ساتھ انہوں نے شہتوت اور اخروٹ کے درخت بھی لگائے تھے۔ بالائی جاگیر میں ان کی بہت ساری زمین پانی کی کمی سے بے کار پڑی تھی۔ وہ رفتہ رفتہ اسے استعمال میں لا رہے تھے۔ سب سے چھوٹا انور خان جاگیر کے معاملات دیکھتا تھا۔ وہ پڑھا لکھا تھا اسی بنا پر تمام حساب کتاب اس کے ہاتھ میں رہتا تھا۔ انور خان ایک سخت مزاج شخص تھا۔ وہ اکلوتی بیٹی کو زیادہ تعلیم دلانے کا قائل نہیں تھا لیکن باپ کے آگے مجبور تھا۔ آمنہ دادا کی لاڈلی تھی اور وہ باپ کے آگے دم نہیں مار سکتا تھا۔

دس لاکھ کی رقم سے عمران نے امپورٹ ایکسپورٹ فرم قائم کی۔ اس کے پاس تعلیم تھی' ذہانت تھی اور سب سے بڑھ کر محنت کا جذبہ تھا لہٰذا سال بھر کے اندر فرم چل نکلی تھی۔ وہ زیادہ تر باہر سے الیکٹرانکس منگواتا تھا اور یہاں سے فوراً آئٹم سمیت متعدد اشیا دیگر ممالک کو بھیجتا تھا کیونکہ وہ دونوں ہی اسلام آباد میں تھے لہٰذا ان کی ملاقاتیں ہوتی رہتی تھیں۔ بچپن کی پسندیدگی رفتہ رفتہ محبت میں بدلنے لگی تھی۔ عمران کو احساس ہو رہا تھا کہ آمنہ اس کے لیے ناگزیر حیثیت اختیار کر گئی تھی۔

آمنہ خاندان کی واحد لڑکی تھی جس کی نسبت ابھی کسی سے بھی نہیں طے ہوئی تھی۔ یہ فیصلہ بھی دادا جان کا تھا لیکن

ایک خاتون یہ دیکھ کر حیران پریشان رہ گئیں کہ ایک بچہ گلی میں دیوار سے ٹیک لگائے پان چبا رہا تھا اور سگریٹ کے کش پہ کش لے کر دھواں ہوا میں اڑا رہا تھا۔

خاتون نے قریب پہنچ کر کہا "تمہیں شرم نہیں آتی۔ یہ کیا کرتے پھر رہے ہو؟ تمہیں تو اس وقت اسکول میں ہونا چاہیے تھا۔"

"ابھی سے اسکول جانا شروع کردوں؟ ابھی میری عمر ہی کیا ہے؟ ابھی تو میں صرف چار سال کا ہوں۔ ممی ڈیڈی کا کہنا ہے کہ وہ مجھے چھ سال کی عمر میں اسکول میں داخل کرائیں گے۔"

○☆○

عام خیال یہی تھا کہ آمنہ اور عمران کی شادی کردی جائے گی کیونکہ دونوں ہی پڑھے لکھے اور ہم مزاج تھے۔ دھماکا اسد خان نے کیا تھا۔ جب اس نے کہا کہ وہ آمنہ سے شادی کرنا چاہتا ہے۔ انور اور اس کی بیوی کو کوئی اعتراض نہیں تھا مگر آخری فیصلہ دادا جان نے کرنا تھا اور انہوں نے کہا۔

"میں آمنہ سے پوچھے بغیر کوئی فیصلہ نہیں کرسکتا۔"

یہ بات خاندان کی روایت کے خلاف تھی بلکہ ان کے علاقے میں تو شادی کے معاملے میں لڑکیوں سے پوچھنے کا رواج ہی نہیں تھا۔ ایسے میں دادا جان کی بات نئی تھی۔ اسد سے زیادہ محبوب خان بھڑ گیا تھا۔ اس نے باپ سے کہا۔

"ہمارے ہاں لڑکیوں سے پوچھنے کی ریت نہیں ہے خان بابا۔"

"مجھے معلوم ہے لیکن وقت بدل رہا ہے پھر آمنہ عام لڑکی نہیں ہے۔ ایک تعلیم یافتہ اور دوسرے مزاج کی لڑکی ہے۔ دوسری لڑکیوں کو دنیا کا پتا ہی نہیں ہوتا اسی بنا پر ان کے فیصلے مردوں کو کرنے پڑتے ہیں پر آمنہ کا فیصلہ اس سے پوچھے بغیر نہیں کیا جاسکتا۔"

"خان بابا' کیا اسد میں کوئی برائی ہے؟" محبوب خان کے انداز میں تلخی تھی۔

"خدا نہ کرے۔" وہ بولے "اسد اچھا لڑکا ہے۔ بس ذرا غصہ ور ہے اور کچھ تم نے بھی اسے ڈھیل دے رکھی ہے ورنہ وہ بہت قابل نکلتا۔ ایک تو وہ صرف میٹرک پاس ہے جبکہ آمنہ نے ایم اے کیا ہے۔ دوسرے وہ اس سے عمر میں پورے دس برس بڑا ہے۔ عمر کا فرق اہم نہیں ہوتا لیکن ان دونوں میں تعلیم کا جو فرق ہے' اسے دیکھنا ہوگا۔"

محبوب حیرت سے اپنے باپ کو دیکھ رہا تھا۔ دیگر معاملات میں وہ روایتی انسان تھے لیکن آمنہ کے معاملے میں وہ بالکل مختلف آدمی بن جاتے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ آمنہ اور عمران ایک دوسرے کو پسند کرتے تھے کیونکہ بات ایک ہی گھر کی تھی لہٰذا ان کے خیال میں کوئی حرج بھی نہیں تھا۔ ان کی توقع کے عین مطابق آمنہ نے اسد سے شادی کرنے سے انکار کردیا۔ ساتھ ہی اس نے کہا تھا۔

"یہ میں اس لیے کہہ رہی ہوں بابا جان کہ آپ نے پوچھا ہے ورنہ میری مجال نہیں کہ آپ کے کسی فیصلے سے انکار کرسکوں۔ میں بھی آپ کی اتنی ہی تابعدار ہوں جتنی ماہ نور' زرمینہ اور شہناز ہیں۔"

"میں جانتا ہوں بچی۔" دادا جان نے اسے گلے سے لگالیا۔ "اب تو بے فکر ہوجا۔"

اگلے روز زرین خان نے پورے خاندان کو جمع کرکے عمران اور آمنہ کی منگنی کا اعلان کیا تو صرف اسد تھا جو اس محفل میں شامل نہیں تھا۔ تمام ہی افراد نے اس فیصلے پر سرِتسلیم خم کردیا تھا۔ طے ہوا تھا کہ شادی اس وقت ہوگی جب آمنہ یونیورسٹی سے ڈگری حاصل کرلے گی اور عمران اپنا کاروبار سیٹ کرلے گا۔ اس کے ایک سال بعد عمران نے زرین خان کو دس لاکھ کی رقم لوٹا دی تھی۔ اس کا کاروبار مستحکم ہوچکا تھا۔ اس نے سب کے سامنے یہ رقم دادا کو واپس کی تھی تاکہ سب جان جائیں کہ اس نے یہ رقم دادا جان سے ادھار لی تھی جو اب واپس کررہا تھا۔

زرین خان نے اس موقع پر رقم کو پانچ حصوں میں تقسیم کرکے پانچوں بیٹوں کو دے دیا "یہ لو' یہ میری آخری جمع پونجی تھی جو میں تم لوگوں کو دے رہا ہوں۔ اب تم لوگ چاہو تو اس رقم کو استعمال کرکے عمران کی طرح اپنے پیروں پر کھڑے ہوسکتے ہو ورنہ اسے بھی پہلی رقموں کی طرح گنوا سکتے ہو۔"

"صرف دو لاکھ۔" محبوب نے طنزیہ لہجے میں کہا "پوتے کو دس لاکھ دیے تھے اور بیٹوں کو صرف دو دو لاکھ۔"

"بکواس مت کرو محبوب۔" وہ برہم ہوگئے "پوتے کو میں نے ادھار دیا تھا۔ تجھے رقم دے رہا ہوں۔ اس کے پاس کچھ نہیں تھا۔ تیرے پاس زمین ہے' آدمی ہیں' پھر پانچ بھائی ہو۔ سب ملا کر اسے دس لاکھ کرسکتے ہو۔ اتنی رقم میں بڑا ٹریکٹر آسکتا ہے۔ تم کیمیائی کھاد' اسپرے اور اچھے بیج اور

پودے لے سکتے ہو۔ ادھر گاؤں میں یہ رقم بہت ہے۔"
مگر محبوب اور ایوب مطمئن نہیں تھے۔ البتہ صنوبر اور منور نے طے کرلیا تھا کہ انہیں اپنے حصے کی رقم سے کیا کرنا ہے۔ وادی کے شروع میں ایک تنگ درہ تھا جس سے مختلف چشموں کا پانی بہہ کر نیچے کی زمینوں کو سیراب کرتا تھا۔ وہ بہت دنوں سے سوچ رہے تھے کہ یہ جگہ بند بنانے کے لیے موزوں ہے مگر مسئلہ بند کی تعمیر کے لیے رقم کا تھا۔ ایک بار بند بن جاتا تو وہ بالائی جاگیر کی تمام زمین کو زیرِ کاشت لا سکتے تھے۔ اب ان کے پاس رقم آگئی تھی۔ صنوبر اور منور نے اس رقم سے گھاٹی پر پتھروں کی ایک دیوار تعمیر کردی۔ اس کے عقب میں پانی کی جھیل بن گئی تھی۔ جس کا پانی سارے سال ان کی زمینوں کو سیراب کرسکتا تھا۔ صرف بالائی زمین ہی نہیں بلکہ جاگیر کا نچلا حصہ بھی اس پانی سے پوری طرح کاشت کے قابل ہوگیا تھا۔
عمران اور آمنہ کی شادی پندرہ سال پہلے ہوئی تھی۔ اس وقت آمنہ صرف چوبیس برس کی تھی اور اب وہ انتالیس برس کی ایک خوب صورت اور جوان عورت تھی جو بہ مشکل تیس سال کی لگتی تھی۔ اکثر لوگ ذرا مشکل سے ہی یقین کرتے تھے کہ وہ تین بچوں کی ماں تھی جن میں سب سے بڑا جوانی کی حدود میں قدم رکھ چکا تھا۔

○☆○

عمران اور آمنہ کی شادی کے بعد خاندان کے حالات تیزی سے بدلنے لگے تھے۔ دو سال بعد زرین خان دل کا دورہ پڑنے سے وفات پاگئے اور محبوب اور ایوب کے اصرار پر جاگیر تقسیم کرلی گئی۔ دونوں بھائی کیونکہ نچلی زمین پر قابض تھے اس لیے ان کے حصے میں وہی زمین آئی۔ اس کا ایک چھوٹا حصہ انور کو ملا تھا۔ بالائی زمین جو اب پوری طرح باغات سے لہلہا رہی تھی۔ اس کا بڑا حصہ صنوبر اور منور کے حصے میں آیا اور ایک چھوٹا حصہ انور کو ملا تھا۔ اس نے اپنی نچلی زمین بڑے بھائیوں سے الگ کرلی تھی اور وہاں بھی باغ لگا رہا تھا۔ یوں خاندان واضح طور پر دو حصوں میں بٹ گیا تھا۔ محبوب اور ایوب جو اب زرین خان کی جگہ تھے اور جاگیر کے بڑے حصے پر قابض تھے لیکن ان کی مالی حالت پتلی تھی۔ جاگیر کی آمدنی وہ اُڑا رہے تھے۔ اس کے برعکس باقی تین بھائی اپنی محنت سے کم زمین سے بھی کہیں زیادہ پیداوار حاصل کررہے تھے اور وہ بڑے بھائیوں کی نسبت کہیں زیادہ خوش حال بھی تھے۔ یہ بات بڑی حویلی کی حالت سے بھی ظاہر تھی جسے انہوں نے از سرِ نو تزئین اور مرمت کے بعد جدید طرز کا بنا دیا تھا جب کہ شمالی حویلی کی حالت خستہ تھی۔

بڑی حویلی کے عقب میں فصیل کے ساتھ باغات سے ذرا پہلے ایک ویران سا قطعہ تھا جو اردگرد کے سرسبز شاداب علاقے کی نسبت سوکھی زرد گھاس اور ایک ٹنڈ منڈ سے درخت کی وجہ سے اچھا خاصا پُرہیبت لگتا تھا۔ اس زمین پر اور کچھ بھی نہیں تھا اور نہ ہی کبھی اسے آباد کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔ ایک بار صنوبر اور منور نے اس زمین پر ناشپاتی کے درخت لگانے کا سوچا تھا لیکن زرین خان نے ان کی سخت مخالفت کی تھی۔
"اس زمین پر کچھ لگانے کی ضرورت نہیں ہے۔ اسے ایسے ہی رہنے دو۔"
"مگر کیوں بابا؟" صنوبر نے حیرت سے پوچھا۔
"یہ زمین منحوس ہے۔ اسے جس نے آباد کرنے کی کوشش کی وہ خود برباد ہوگیا۔ اس پر کھڑا ٹنڈ منڈ درخت بربادی کی علامت ہے۔"
"یہ آپ کیسی بات کررہے ہیں۔" منور نے حیرانگی سے باپ کو دیکھا۔ "آپ نے پہلے تو کبھی اس بارے میں کچھ نہیں کہا تو اب...."
"پہلے کسی نے اسے آباد کرنے کی بات بھی نہیں کی تھی۔" زرین خان کا لہجہ نرم ہوگیا تھا "لیکن ہمارے باپ داداؤں کے وقت سے یہ زمین منحوس اور برباد چلی آرہی ہے۔ اسے جب آباد کرنے کی کوشش کی گئی بڑی تباہی آئی۔ ایک بار تو ہمارا آدھا خاندان اسی تباہی کی زد میں آکر ختم ہوگیا تھا۔"
"مگر یہ زمین کیوں منحوس ہے؟" صنوبر نے پوچھا۔
"یہ تو مجھے نہیں معلوم لیکن سنا ہے کہ اس جگہ ہمارے کسی اجداد سے ایک بے گناہ پر بہت بڑا ظلم ہوا تھا۔ وہ یہاں جھونپڑی ڈال کر رہتا تھا۔ ٹھیک اسی جگہ پر جہاں وہ ٹنڈ منڈ درخت ہے۔ ہمارے اجداد نے اس جگہ قبضہ کرنا چاہا۔ پہلے اس شخص کو قیمت دی گئی لیکن وہ راضی نہیں ہوا تو ایک رات اس کی جھونپڑی میں آگ لگوا دی اور وہ اپنی بیوی اور دو بچوں سمیت جل کر ختم ہوگیا کیونکہ اس کا کوئی والی وارث نہیں تھا اس لیے زمین پر ہمارے اجداد کا قبضہ ہوگیا۔ اس کے کچھ عرصے بعد زمین پر یہ ٹنڈ منڈ درخت اگ آیا۔ عجیب بات یہ تھی کہ اس پر کبھی کوئی پتا نہیں آیا۔ یہ ہمیشہ سے ٹنڈ منڈ رہا تھا۔ بس لکڑیاں تھیں۔ وہ بھی بھوری مائل زرد جن میں سبز رنگ نام کو نہیں تھا۔ اس کے اردگرد ایک ایکڑ کے رقبے میں پیلی زرد گھاس اگ آئی۔ یہ اتنا ہی حصہ تھا جتنا اس غریب کے پاس تھا۔ ایک روز ہمارے جدِ امجد نے اس

زمین پر باغ بانی کا سوچا۔ اگلے دنوں میں کئی مزدور اس پر کام کرتے رہے لیکن جو پودا لگاتے وہ سوکھ جاتا۔ بیج ایسے ہی پڑے رہ جاتے پھر مزدوروں میں پُراسرار اموات ہونے لگیں تو وہ خوف زدہ ہو کر بھاگ گئے اور ایک صبح جد امجد کی لاش بھی اس درخت تلے ملی۔ ان کی موت کی بظاہر کوئی وجہ نہیں تھی۔ اس کے بعد سے اس زمین کو یونہی چھوڑ دیا گیا۔"

"تو کیا پھر اسے کبھی آباد کرنے کی کوشش نہیں کی گئی تھی؟" صنوبر نے دلچسپی سے پوچھا۔

"اس طرح نہیں لیکن میری ایک بہن یعنی تمہاری پھوپی نے اس زمین پر سبزی لگانے کی کوشش کی تھی اور وہ کنوئیں میں پانی بھرنے کے دوران میں گر کر مر گئی تھی۔ اس کے بعد سے کسی نے اس زمین کو آباد کرنے کی کوشش نہ کی۔ یہ زمین منحوس ہے۔"

صنوبر اور منور مسکرانے لگے تھے۔ منور نے کہا "خان بابا! آج کے دور میں ایسی باتوں کو کون مانتا ہے۔ ہم یہ زمین آباد کرنے کی کوشش کریں گے۔"

"ہرگز نہیں۔" زرین خان نے سختی سے مخالفت کی "تم میں سے کوئی اس کے پاس بھی نہیں جائے گا۔ یہ میرا حکم ہے۔"

ظاہر ہے اس کے بعد وہ دونوں مجبور تھے پھر باپ کے انتقال کے بعد بھی ایسے حالات پیدا ہوئے تھے کہ انہیں زمین کا خیال ہی نہیں آیا تھا۔ تین سال پہلے جب عمران، آمنہ اور بچوں کے ساتھ بڑی حویلی آیا تھا، اس کی نظر اس ویران جگہ پڑی۔ اس نے باپ سے پوچھا "آپ لوگ اتنی بڑی زمین کو استعمال کیوں نہیں کرتے۔"

اس پر صنوبر نے اسے باپ سے سنی کہانی سنا دی "بابا کی زندگی میں تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا لیکن اس کے بعد بھی مجھے یا منور کو کبھی خیال نہیں آیا۔ ممکن ہے بابا کی بات درست ہو۔"

"بابا جان، یہ سب پرانے زمانے کی باتیں ہیں۔ ممکن ہے اس وقت حالات ایسے ہوں کہ لوگ اس زمین کو منحوس سمجھنے لگے ہوں لیکن اس بات کو کتنے سال گزر چکے ہیں۔ آپ اس زمین کو آباد کیجیے۔"

صنوبر خان ہچکچانے لگا "عمران اس زمین کے بغیر بھی ہمارا کام چل رہا ہے۔"

عمران بھانپ گیا تھا کہ اس کا باپ اس معاملے میں کچھ نہیں کرے گا۔ اس نے دوبارہ زمین کا معائنہ کیا۔ یہ جگہ پہاڑی ڈھلان کے بالکل ابتدا میں تھی۔ اس کے تین

اطراف میں واقع بلند پہاڑوں کا منظر ان کے جنگلات، اوپر چوٹیوں پر جمی برف اور درمیانی ڈھلان پر واقع باغات سب بہت واضح اور دلکش رنگوں میں نظر آرہے تھے۔ تب عمران کے ذہن میں ایک خیال آیا کہ کیوں نہ اس زمین پر ایک جدید طرز کا سمر ہاؤس بنائے جو زیادہ تر لکڑیوں اور شیشوں کا بنا ہو۔ اگرچہ رہائش کے لیے وسیع وعریض حویلی تھی لیکن یہ بے حد قدیم طرز کی تھی اور اس کی رہائش بھی اتنی پُر آسائش نہیں تھی جس کے وہ شہر میں عادی ہوچکے تھے۔ اس نے آمنہ سے ذکر کیا تھا۔ وہ زمین کے متعلق قدیم روایت سے قطعی بے خبر تھی لہٰذا اس نے بھی اس میں دلچسپی محسوس کی پھر وہ عمران کے ساتھ زمین تک گئی اور سمر ہاؤس کے نقطۂ نظر سے اس کا جائزہ لیا۔ واقعی یہ جگہ اس کے لیے بے حد موزوں تھی۔ اس نے عمران کے ساتھ یورپ کے سفر میں متعدد بار سمر ہاؤسز دیکھے تھے اور اسے وہ گھر بے حد اچھے لگے تھے۔ بچوں کو معلوم ہوا تو وہ بھی خوش ہوگئے۔

"امی ہم سچ مچ یہاں اپنا گھر بنائیں گے۔" ارشد نے پوچھا۔ اسے حویلی اور اس کا ماحول قطعی پسند نہیں تھا۔

"ہاں اور جب ہم سردیوں میں یہاں آئیں گے تو یہیں ٹھہرا کریں گے۔"

"سردیوں میں۔" ارشد کا منہ لٹک گیا تھا "لیکن ہم تو ہمیشہ گرمیوں میں آتے ہیں۔ سردیوں میں تو ایک بار ہی آئے تھے۔"

"بیٹا سمر ہاؤس میں صرف سردیوں میں رہا جاسکتا ہے۔ گرمیوں میں تو یہ بے حد گرم ہوجاتے ہیں۔ ان میں زیادہ تر شیشہ استعمال ہوتا ہے۔" آمنہ نے اسے سمجھایا لیکن خود سوچ میں پڑ گئی تھی۔ واقعی وہ سردیوں میں یہاں آتے ہی کہاں تھے۔ ان دنوں تو ناقابلِ برداشت سردی پڑ رہی ہوتی تھی۔ وہ ہمیشہ گرمیوں میں آتے تھے جن دنوں اسلام آباد کا موسم بے حد گرم ہوجاتا تھا۔ ان دنوں ایبٹ آباد کی اس وادی میں موسم بے حد خوش گوار ہوتا تھا۔ اس نے یہ بات عمران سے کہی تو وہ سوچ میں پڑ گیا۔ "بات تو ارشد نے پتے کی کہی ہے۔"

عمران اور وہ سب جب واپس اسلام آباد گئے تو اس نے اپنے ایک جاننے والے آرکیٹیکٹ سے اس مسئلے پر بات کی۔ اس نے جواب دیا "کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ اگر شیشوں کو اس طرح لگایا جائے کہ بہ وقتِ ضرورت انہیں ایک طرف ہٹایا جاسکے اور ساتھ ہی لکڑی کا اضافہ کیا جائے تو یہ سمر ہاؤس گرمیوں میں بھی اتنا ہی کارآمد رہے گا۔"

عمران کے دوست آرکیٹیکٹ نے صرف مشورہ ہی نہیں دیا بلکہ اسے ایک خوب صورت دو منزلہ سمر ہاؤس کا مکمل نقشہ بھی بنا کر دے دیا۔ اب مسئلہ باپ اور چچا سے زمین پر سمر ہاؤس بنانے کی اجازت حاصل کرنا تھا۔ دو مہینے بعد اس کا کسی سلسلے میں ایبٹ آباد جانا ہوا تھا تو اس نے ایک روز باغات میں منور چچا کے ساتھ گھومتے ہوئے یہ موضوع نکال لیا۔

"چچا میں چاہتا ہوں آپ یہ زمین مجھے دے دیں۔"

منور نے حیرت سے اسے دیکھا "تم اس اجاڑ زمین کا کیا کرو گے؟"

"میں اس پر ایک نئے طرز کا مکان بنانا چاہتا ہوں۔"

منور ہنسا "تو چاچے کی جان، تمہارے پاس ایک گھر تو ہے۔ یہ حویلی بھی تو تمہاری ہے۔"

"آپ سمجھے نہیں چچا۔" وہ بولا "یہ سمر ہاؤس میرا شوق ہے میں کوئی اسے مستقل رہائش کے لیے نہیں بنا رہا ہوں۔ بس یوں سمجھئے کہ میں اپنی ملکیت میں ایک ایسا گھر چاہتا ہوں۔"

عمران نے چچا کو سمر ہاؤس کا چھوٹا سا ماڈل دکھایا جو اسے آرکیٹیکٹ نے بنا کر دیا تھا تو وہ بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا مگر ساتھ ہی کہا "عمران تم جانتے ہو کہ یہ زمین آسیب۔۔۔"

"چچا جان، یہ سب پرانے زمانے کی باتیں ہیں۔ اس زمین پر ہونے والے واقعات حادثات بھی ہوسکتے تھے اور دوسرے اس زمین کی ویرانی کی وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ اس کی مٹی میں کوئی زہریلا عنصر شامل ہو جو پودوں اور درختوں کو پرورش پانے سے روکتا ہو۔ آپ کو اس کی مٹی کا لیبارٹری ٹیسٹ کرانا چاہیے۔"

"میں پہلے ہی ٹیسٹ کرا چکا ہوں۔" منور نے اس کی آنکھوں میں دیکھا "اب تم کیا کہو گے؟"

"میں ماننے کے لیے تیار نہیں ہوں۔" عمران نے کہا "آپ مجھے زمین پر سمر ہاؤس بنانے کی اجازت دے دیں۔"

منور نے گہری سانس لی "میں تو شاید اجازت دے بھی دوں لیکن تمہارا باپ ہرگز اجازت نہیں دے گا۔"

مگر منور کا خیال غلط تھا۔ عمران نے اس سے اجازت حاصل کرلی۔ صرف یہی نہیں بلکہ اس نے سمر ہاؤس کے لیے جو جگہ منتخب کی تھی، اسے باقاعدہ خرید لیا۔ اگرچہ باپ اور چچا دونوں نے اس کا برا مانا تھا لیکن اس کے اصرار کے آگے انہیں جھکنا ہی پڑا تھا۔ جگہ حاصل کرتے ہی اس نے ایک کنسٹرکشن کمپنی سے بات کرلی تھی لیکن اس سے پہلے کہ تعمیر کا

آغاز ہوتا ایک روز دفتر سے آتے ہوئے عمران کی کار کا ایک ویگن سے تصادم ہوگیا۔ اس کی زندگی بچ گئی تھی لیکن وہ خاصا زخمی ہوا تھا اور اسے پورا ایک مہینہ اسپتال میں گزارنا پڑا تھا پھر صحت بحال ہوتے ہوتے کئی مہینے لگ گئے تھے۔ ظاہر ہے اس دوران میں اسے سمرہاؤس کا خیال کہاں رہا تھا پھر سردیاں شروع ہوگئیں اور معاملہ اگلی سردیوں تک کے لیے ٹل گیا۔

اپریل کے شروع میں ان کی وادی میں بہار کا آغاز ہوجاتا تھا۔ اس سے پہلے عمران نے کنسٹرکشن کمپنی سے بات کرلی اور اپریل کے دوسرے ہفتے میں کمپنی کے سپروائزر اور سامان وہاں پہنچ گیا۔ سمرہاؤس کی بیس اور پکی دیواریں مقامی پتھروں سے بنائی جانی تھی۔ لکڑی کا کام اس سے اوپر سے شروع کیا جاتا۔ کام کا آغاز ہوا مگر اس کی رفتار سست تھی۔ سب سے پہلے تو انہیں مزدور ہی نہیں ملے تھے۔ علاقے کے کسی بھی فرد نے وہاں کام کرنے سے انکار کردیا تھا۔ مجبوراً کمپنی کو زیادہ معاوضہ دے کر دوسرے علاقے سے مزدور لانے پڑے تھے لیکن یہ مزدور بھی زیادہ دن نہیں ٹکتے تھے۔ کچھ دنوں بعد بھاگ جاتے تھے۔ وہ واضح طور پر خوف زدہ تھے لیکن اپنے خوف کی وجہ نہیں بتاتے تھے۔

بہ مشکل چار مہینے میں جا کر بنیادوں کا کام مکمل ہوا تھا۔ اس کے بعد قیامت خیز بارشوں کا نہ رکنے والا سلسلہ شروع ہوگیا تھا جس کی وجہ سے کام روکنا پڑا اور بالآخر اسے اگلے موسم گرما تک کے لیے ملتوی کردیا گیا۔ آمنہ کو اس زمین اور اس درخت سے منسوب روایتیں معلوم ہوگئی تھیں اور وہ اب فکر مند ہونے لگی تھی۔ عمران اسے تسلی دیا کرتا تھا۔ اس قسم کے غیر روایتی کاموں میں مسائل تو ہوتے ہی ہیں۔ انشاء اللہ اگلی گرمیوں میں سمرہاؤس بن کر تیار ہوجائے گا۔

اگلی گرمیوں سے پہلے ہی خاندان میں سانحات کا سلسلہ شروع ہوگیا تھا۔ محبوب خان گھڑسواری کے دوران میں سر کے بل گر کا جاں بحق ہوگیا تھا۔ اس کی وجہ کسی کی سمجھ میں نہیں آئی تھی کیونکہ وہ مشاق گھڑسوار تھا اور گھوڑا بھی دس سال سے اس کے ساتھ تھا۔ اس سے پوری طرح مانوس تھا۔ محبوب خان اگرچہ درشت مزاج اور اکھڑ شخص تھا لیکن وہ خاندان کا سربراہ تھا اور اس کے مرنے کا سب کو گہرا دکھ تھا کیونکہ حادثہ سب کے سامنے ہی ہوا تھا اس لیے اس کی موت پر کسی قسم کا شک بھی نہیں کیا جاسکتا تھا ورنہ جہاں دولت اور جائداد ہو، وہاں ہر موت جو غیر طبعی ہو اس پر شک تو ہوتا ہی ہے۔ ابھی محبوب خان کی موت کا صدمہ کم نہیں ہوا تھا کہ اس بار انہیں زیادہ بڑا صدمہ برداشت کرنا پڑا۔ انور جو شہر سے واپس آرہا تھا، اس کی جیپ اچانک بے قابو ہوکر کھائی میں جاگری تھی۔ اس حادثے میں انور کے ساتھ اس کے دو ساتھی بھی مارے گئے تھے۔ آمنہ کا صدمے سے برا حال ہوگیا تھا کیونکہ کئی سال پہلے دادا کے مرنے کے بعد ایک باپ ہی حویلی میں بچا تھا جس سے وہ جذباتی وابستگی محسوس کرتی تھی حالانکہ بچپن میں وہ باپ کے زیادہ نزدیک نہیں رہی تھی لیکن ان آخری سالوں میں وہ اس کے نزدیک آتی جارہی تھی۔ ابتدا میں جائداد کی تقسیم میں ناانصافی پر اس نے احتجاج نہیں کیا تھا۔ اس کا کوئی بیٹا تو تھا نہیں جو وارث بنتا۔ سب کچھ آمنہ کے پاس جانا تھا یا اس کے شوہر کے پاس۔ یہ سوچ کر اس نے پروا نہیں کی تھی کہ اسے جاگیر میں سے کتنا حصہ مل رہا ہے لیکن بعد میں جب بیٹی کی محبت کچھ زیادہ ہی محسوس ہونے لگی تو اسے بٹوارے میں ناانصافی کا احساس ہوا اور اس نے بھائیوں سے مطالبہ کیا کہ اس کا حصہ بھی مساوی دیا جائے۔ صنوبر اور منور نے تو اس کی بات مان لی لیکن محبوب اور ایوب اپنے حصے کی زمین میں سے ایک انچ دینے کو تیار نہیں تھے۔ اس پر انور اور ان کے درمیان تلخ کلامی بھی ہوئی تھی۔ جب آمنہ کو اس بات کا پتا چلا تو وہ فوراً حویلی آئی تھی۔ اس نے باپ سے کہا "آپ کو جائداد کے لیے بھائیوں سے جھگڑنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔"

"لیکن یہ تیرے ساتھ ناانصافی ہوگی آمنہ۔"

"بابا جانی، میں عورت ہوں۔ میرا حصہ ویسے بھی کم ہوتا ہے۔ دوسرے مجھے دولت یا زمین کی لالچ نہیں ہے۔ آپ کو معلوم ہے عمران کے کاروبار میں، میں برابر کی شریک ہوں۔ انہوں نے اصرار کرکے مجھے شریک بنایا ہے بلکہ ہر منافع میں سے نصف میرے اکاؤنٹ میں بھی جاتا ہے۔"

"تو نے پہلے کبھی نہیں بتایا۔" انور کو خوشی کے ساتھ حیرت بھی ہوئی تھی۔

"میں نے کہا نا، دولت اور جائداد کی میرے نزدیک اتنی اہمیت نہیں ہے۔ جب عمران کو کاروباری یا کسی اور کام کے لیے رقم کی ضرورت ہوتی ہے تو میں انہیں اپنے اکاؤنٹ سے رقم دے دیتی ہوں اور جب ان کی ضرورت پوری ہوجاتی ہے تو وہ رقم واپس میرے اکاؤنٹ میں ڈال دیتے ہیں۔ بابا جانی، بات دولت کی نہیں بلکہ باہمی تعلق کے احترام کی ہوتی ہے جس کے سامنے ساری دنیا کی دولت ہیچ ہے۔"

"تو تو ولیوں کی سی بات کرنے لگی ہے۔" انور نے حیرت سے کہا۔ اسے پہلی بار احساس ہوا تھا کہ علم نے اس کی بیٹی

کے ذہن کو کس قدر روشن کردیا تھا۔ خاندان تو کیا پورے علاقے میں کوئی لڑکی ایسی سوچ نہیں رکھ سکتی تھی۔ اس کے ساتھ ہی انور کے دل میں بیٹی کے لیے گداز آتا جارہا تھا لیکن جب سے باپ کا پیار ملا تو باپ ہی چھن گیا تھا۔ انور کے چالیسویں کے بعد ان کے خاندانی وکیل نے انور کا وصیت نامہ کھولا جس کے مطابق اس کی تمام زمین اور ملکیت اب آمنہ اور اس کے بچوں کی ملکیت تھی۔ آمنہ نے فوری طور پر اپنی زمین صنوبر اور منور کے حوالے کردی تھی۔ اب وہی ان کے ذمے دار تھے۔ تایا ایوب خان نے اس پر کوئی ردِ عمل ظاہر نہیں کیا تھا۔ وہ بڑے بھائی کی موت کے بعد بالکل بجھ گیا تھا اس کے حصے کی زمین اس کے تین بیٹوں نے سنبھال لی تھی۔ اسد نے لاابالی پن چھوڑ کر سنجیدگی سے زمینوں پر کام سنبھال لیا تھا اور انہیں جدید خطوط پر کاشت کرنے کا پروگرام بنا رہا تھا۔ ایوب کے حصے کی زمین بھی اسد نے سنبھال لی تھی اور وہ ایک طرح سے ریٹائر ہوگیا تھا۔ البتہ صنوبر اور منور بدستور کام کررہے تھے۔ صنوبر کا بیٹا عمران شہر میں کاروبار کررہا تھا جبکہ منور تو لاولد تھا ہی چند سال پہلے اس کی بیوی بھی انتقال کرگئی تھی تب سے وہ بے حد خاموش رہنے لگا تھا۔ ان دنوں وہ اکثر پشاور چلا جاتا تھا جہاں ان کے کئی رشتے دار آباد تھے اور منور خان کا ان سے ملنا جلنا تھا۔ ان میں کئی اس کے اچھے دوست تھے جن کے ساتھ وہ علاقہ غیر چلا جاتا تھا جہاں وہ شکار وغیرہ کھیل لیتے تھے۔ محبوب خان کی حادثاتی موت سے کچھ عرصے پہلے وہ ایک سفر سے واپس آیا تو اس کے ساتھ کچھ مہمان بھی تھے جو ان کے لیے قطعی اجنبی تھے۔ ان میں ایک فیشن ایبل قسم کی عورت اور اس کا صورت سے مکار نظر آنے والا ساتھی تھا۔ ان کے علاوہ ایک نوجوان تھا جو شاید ان کا ملازم تھا۔ عورت میک اپ کا حد سے زیادہ استعمال کرتی تھی۔ بال مختصر انداز میں کٹے تھے اور ہونٹ سرخ اور متورم تھے جیسے وہ ہمہ وقت نشے میں رہتی ہو لیکن مجموعی طور پر وہ بے حد خوب صورت عورت تھی۔ اس کا نام ماریا سبحانی تھا۔ اس کا ساتھی جمیل فرید تھا اور ان کے ساتھ کا نوجوان، صابر احمد کہلاتا تھا۔ ان لوگوں کو منور خان نے بڑی حویلی کے مہمان خانے میں ٹھہرایا تھا۔ بھائیوں کو حیرت تھی کہ یہ منور خان کس قسم کے لوگوں کو لے آیا تھا۔ ماریا نام کی یہ عورت صرف لباس سے ہی نہیں بلکہ اطوار سے بھی بے ہودہ نظر آتی تھی اور وہ حویلی کے باہر بھی اسی حلیے میں گھوما کرتی تھی جس کا اس علاقے میں سوچا بھی نہیں جاسکتا تھا۔ عام طور پر وہ چست لباس پہنتی تھی جس کا گریبان کشادہ ہی ہوتا تھا اور وہ بغیر دوپٹے کے گھوما کرتی تھی۔ وہ اور اس کا ساتھی اکثر منور خان کی جیپ لے کر پورے علاقے میں گھومتے رہتے تھے۔ حویلی والوں نے کچھ دن تو انہیں برداشت کیا پھر بھائیوں نے منور خان کو بلالیا۔

"یہ عورت کون ہے اور یہاں کیا کرتی پھر رہی ہے؟" محبوب خان نے سخت لہجے میں پوچھا تھا۔

"یہ لوگ میرے مہمان ہیں اور اس علاقے میں ایک ہوٹل بنانا چاہتے ہیں۔" منور نے سکون سے جواب دیا۔

"کس قسم کا ہوٹل اور ایبٹ آباد میں ہوٹلوں کی کیا کمی ہے۔" محبوب خان نے طنز کیا "یہ عورت تمہیں کہاں ملی ہے؟"

"یہ مجھے علاقہ غیر سے آتے ہوئے ملی تھی۔" منور کا لہجہ کمزور ہوگیا "لیکن میرے مہمانوں پر آپ اعتراض کیوں کررہے ہیں۔"

"مجھے مہمانوں پر نہیں، اس عورت کی حرکتوں پر اعتراض ہے۔" محبوب نے غصیلے لہجے میں کہا "یہ ہمارے علاقے میں ہے اور اسے ہماری روایات کی پاس داری کرنی چاہیے۔ تمہیں معلوم نہیں ہے اس کی حرکتوں سے ہماری بے عزتی ہورہی ہے۔"

"میں اسے سمجھا دوں گا۔" منور نے کہا اور اپنی طرف سے بات ختم کردی پھر اس نے عورت اور اس کے ساتھی سے نہ جانے کیا کہا کہ وہ اگلے روز ہی وہاں سے چلے گئے۔ اس کے بعد منور بھائیوں سے کبیدہ خاطر نظر آنے لگا تھا مگر محبوب اور انور کی یکے بعد دیگرے اموات نے اسے بدل کر رکھ دیا تھا۔ خاص طور سے انور کے مرنے پر وہ اتنا دکھی ہوگیا تھا کہ بیمار پڑگیا تھا۔ اسے اسپتال میں داخل کرانا پڑا تھا۔

ابھی یہ گھر ان دو سانحات سے نہیں سنبھلا تھا کہ ایک دل ہلا دینے والا واقعہ پیش آیا۔ منور خان صحت یاب ہونے کے بعد اپنے... دونوں چھوٹے بیٹوں احد اور فرحت کے ساتھ شکار پر گیا تھا۔ وہاں وہ لوگ نامعلوم ڈاکوؤں کے حملے کا شکار ہوگئے۔ دونوں بھائی تو فوراً ہی ہلاک ہوگئے تھے اور منور شدید زخمی ہوا تھا۔ اس کے بازو اور ٹانگ میں گولیاں لگی تھیں۔ اس کے کہنے کے مطابق حملہ آور نامعلوم تھے اور وہ اچانک ہی ان پر ٹوٹ پڑے تھے۔ یکے بعد دیگرے چار اموات نے ان سب کو سہما دیا تھا مگر اسد بپھرا اٹھا تھا' اس نے قسم کھائی تھی کہ وہ اپنے بھائیوں کا انتقام لے گا مگر جب سوال سامنے آیا کہ کس سے تو وہ بے بس سا ہوگیا۔ اب شبہ ہونے لگا تھا کہ محبوب اور انور کی اموات بھی حادثہ ہی تھیں

یا انہیں بھی سازش کے ذریعے قتل کردیا گیا تھا۔ سب سے اہم سوال یہ تھا کہ انہیں قتل کروانے والا کون تھا؟

لیکن پھر رفتہ رفتہ ان سانحات پر وقت کی گرد پڑنے لگی اور ان کے دکھ کی شدت کم ہونے لگی تھی۔ ان ہی دنوں عمران کو سمرہاؤس کا خیال آیا تھا جو باوجود کوشش کے دو سیزن میں بھی مکمل نہیں ہوسکا تھا۔ تیسرے موسم گرما میں تعمیر کا دوبارہ آغاز ہوا۔ نچلی منزل کی تعمیر میں اب لکڑی اور شیشے کا استعمال جاری تھا۔ کام کی نگرانی کے لیے عمران وقفے وقفے سے حویلی کا چکر لگا رہا تھا۔ اس روز وہ حویلی پہنچا تو کام زور وشور سے جاری تھا۔ وہ سیدھا سمرہاؤس چلا آیا۔ وہاں موجود سپروائزر نے گرم جوشی سے اس کا استقبال کیا۔

”اچھا کیا‘ آپ آگئے۔ آج ہم سمرہاؤس کی چھت ڈال رہے ہیں۔“

چھت کے شہتیر اور کڑیاں ڈل چکی تھیں۔ اب اس پر دیودار کے مضبوط تختے بچھائے جارہے تھے۔ لکڑی کو سہارا دینے کے لیے دو فولادی گارڈر بھی استعمال کیے گئے تھے۔ یہ سہ پہر کا وقت تھا اور آسمان پر بادل جمع ہورہے تھے۔ عمران باہر کھڑا تھا۔ اچانک اس کی نظر اس زمین پر صدیوں سے استادہ ٹنڈ منڈ درخت کی طرف اٹھ گئی۔ وہ چونک اٹھا۔ وہاں ایک عورت جس نے سیاہ کرتہ اور سیاہ شلوار پہن رکھی تھی۔ اس کے بال کھلے تھے اور چہرے پر بلا کا سکوت تھا۔ وہ غضب ناک نظروں سے سمرہاؤس کو دیکھ رہی تھی۔ اس کے ساتھ کھڑا مرد نسبتاً ہٹا کٹا تھا۔ اس نے مقامی طرز کی شلوار قمیص پہن رکھی تھی اور اس کا چہرہ بدصورت تھا اور اس کی بھی آنکھیں شعلے برسا رہی تھیں اور ان کا مرکز سمرہاؤس تھا۔ عمران کی رگ و پے میں سنسنی سی دوڑ گئی تھی۔ اس نے سپروائزر کی طرف دیکھا ”یہ درخت کے پاس کون لوگ کھڑے ہیں۔“

سپروائزر نے گھوم کر درخت کی طرف دیکھا اور حیرت سے پوچھا ”کون لوگ؟“

عمران ششدر رہ گیا تھا۔ اب درخت کے پاس کوئی نہیں تھا بلکہ دور دور تک کوئی نہیں تھا۔ وہ بوکھلا کر بولا ”وہ لوگ ابھی تو یہیں تھے۔ ایک مرد اور ایک عورت۔“

سپروائزر نے عجیب نظروں سے اس کی طرف دیکھا ”تو وہ کہاں گئے سر؟“

واقعی عجیب بات تھی۔ وہ لوگ اتنی جلدی کہاں جاسکتے تھے۔ درخت کے چاروں طرف ہی سو گز تک کھلا علاقہ تھا۔ چند لمحوں میں وہ اسے پار کرکے کہیں نہیں جاسکتے تھے۔ عمران نے خود کو سنبھالا۔ ”جتنی دیر میں تمہاری طرف متوجہ رہا‘ شاید وہ چلے گئے۔ ممکن ہے مزدوری کی تلاش میں آئے ہوں۔“

لیکن یہ وضاحت ایسی تھی کہ خود عمران بھی مطمئن نہیں تھا۔ کچھ دیر بعد وہ ٹہلتا ہوا درخت کی طرف گیا لیکن اس دوران میں وہ مسلسل اطراف کا جائزہ لے رہا تھا۔ وہاں کوئی موجود ہوتا تو اس کی نظروں سے نہیں بچ سکتا تھا۔ وہ درخت کے پاس پہنچا۔ یہ خاصا اونچا درخت تھا جس کا تنا چار فٹ قطر کا تھا۔ ایک دو اشخاص باآسانی اس کے پیچھے چھپ سکتے تھے۔ عمران کے ذہن میں شبہ تھا کہ شاید وہ مرد اور عورت درخت کے تنے کے عقب میں چھپ گئے ہوں تو یہ شبہ بھی دور ہوگیا۔ وہاں اب کوئی نہیں تھا لیکن وہ مرد اور عورت اس کا وہم نہیں تھے۔ اس نے انہیں واضح طور پر دیکھا تھا۔ اچانک اس کی نظر درخت کے اردگرد زمین پر جم گئی۔ صبح بارش ہوئی تھی جس کے باعث زمین نم تھی اور اس پر دو انسانی پیروں کے جوڑوں کے نشان واضح تھے۔ ایک نسبتاً چھوٹا اور ایک نسبتاً بڑا نشان۔ وہ دم بہ خود رہ گیا کیونکہ یہ نشان صرف درخت کے اردگرد تک محدود تھے اور اس سے آگے ان کا کوئی نشان نہیں تھا۔ وہ حیران ہونے کے ساتھ خوف زدہ بھی تھا۔ بات ناقابلِ یقین تھی۔ درخت کے گرد گھومتے ہوئے اس کی نظر ایک چھوٹے سے سوراخ پر پڑی جو تنے کے نچلے حصے میں تھا اور بہ مشکل ایک فٹ قطر کا تھا اور کوئی بڑا تو کجا اس میں کوئی پانچ چھ سال کا بچہ بھی نہیں گھس سکتا تھا۔

ابھی چھت ڈالنے کا عمل جاری تھا کہ بادلوں نے طوفانی صورت اختیار کرنا شروع کردی اور جب تک مزدور سامان سمیٹتے‘ زوردار بارش شروع ہوئی اور ہوا کے جھکڑ چلنے لگے۔ بہ دقت مزدور سامان سمیٹ سکے اور شیشے انہوں نے محفوظ کیے۔ چھت کی لکڑیوں کو جوڑنے والا سلوشن بے کار ہوگیا تھا لیکن یہ کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ اگلی بار جب وہ کام شروع کرتے تو سلوشن دوبارہ لگایا جاسکتا تھا۔ بس خطرہ یہ تھا کہ طوفانی جھکڑوں سے لکڑی کے شہتیر اور کڑیاں نہ اپنی جگہوں سے ہل جائیں۔ خوش قسمتی سے طوفان شدید ہونے کے باوجود سمر ہاؤس کے ڈھانچے کو کوئی نقصان نہیں ہوا تھا۔ اگلے روز سورج نکلتے ہی کام شروع ہوگیا تھا اور عمران واپس اسلام آباد لوٹ گیا تھا۔ اس نے آمنہ اور بچوں کو کام کے بارے میں بتایا لیکن اس نے وہاں نظر آنے والے پُراسرار جوڑے کے بارے میں انہیں نہیں بتایا۔ وہ انہیں خوف زدہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔

○☆○

تمام تر کوشش کے باوجود جولائی کے آخر تک سرہاؤس کی صرف نچلی منزل مکمل ہوئی تھی۔ اس کے بعد علاقے میں بارشوں کا موسم شروع ہو گیا جس میں تعمیراتی کام بہت مشکل ہو جاتا تھا لہٰذا طے یہ ہوا کہ ابھی نچلی منزل کو ہی فرنش کیا جائے گا اور اوپری منزل کی تعمیر اگلے موسم بہار میں شروع کی جائے گی۔ سرہاؤس کی تزئین اور آرائش آمنہ نے خود کی تھی۔ اسلام آباد میں اپنے گھر کی ڈیکوریشن بھی اس نے خود کی تھی اور اس معاملے میں وہ خداداد صلاحیت رکھتی تھی۔

سرہاؤس میں تین بیڈ رومز کے ساتھ ایک لیونگ روم اور ایک اسٹڈی روم تھا۔ اوپر کی منزل کے لیے ان کا پروگرام تھا کہ ایک وارمنگ روم اور ایک بیڈ روم کے ساتھ ایک لیونگ روم بنائیں گے۔ سرہاؤس کا کچن اسٹور اور گیراج سب نچلی منزل پر تھے۔ یہ سرہاؤس کے عقبی حصے میں واقع تھے جہاں سے باغات کا سلسلہ شروع ہو جاتا تھا۔ ٹنڈ منڈ درخت کی طرف ان کے لیونگ روم کی کھڑکی کھلتی تھی جب کہ تینوں بیڈ روم شمال کی طرف تھے جہاں سے دور تک ڈھلان، جنگل اور باغات کا منظر صاف نظر آتا تھا۔ عمران کا منصوبہ تھا کہ سرہاؤس کی تعمیر کے بعد وہ اردگرد کی ویران سرزمین پر ایک خوب صورت لان بنوائے گا۔ جس کے گرد خوب صورت درخت ہوں گے۔ درمیان میں پھولوں کے تختے ہوں گے اور لان کے گرد انگلش ہیج لگوائے گا۔ اس سے حد بندی بھی ہوگی اور سرہاؤس کی حفاظت بھی۔

دسمبر میں بچوں کے اسکول سرما کی تعطیلات کی وجہ سے بند ہوئے تو انھوں نے ایبٹ آباد کے لیے رختِ سفر باندھا۔ اس بار ان کا ارادہ سرہاؤس میں ٹھہرنے کا تھا۔ عمران نے حویلی فون کرکے اپنی آمد کا بتاتے ہوئے سرہاؤس کی صفائی کرانے کو کہا تھا کیونکہ اس میں کوئی نہیں رہتا تھا اور یہ زیادہ تر بند پڑا رہتا تھا۔ البتہ ایک مقامی جوان اس کی حفاظت کے لیے بطور چوکیدار رکھا گیا تھا جو دن رات وہیں رہتا تھا کیونکہ اسٹور روم میں فی الوقت کوئی سامان نہیں تھا اس لیے یہ چوکیدار کو رہائش کے لیے دے دیا گیا۔

ان کے پاس ایک نسان سنی کار تھی لیکن حویلی جاتے ہوئے وہ ہمیشہ جیپ استعمال کرتے تھے۔ یہ ٹویوٹا کی بڑی خوب صورت اور پُرآسائش کیبن جیپ تھی۔ زیادہ تر عمران ڈرائیونگ کرتا تھا لیکن کبھی کبھی آمنہ بھی اسے ڈرائیو کرتی تھی۔ اس روز بھی آدھے راستے کے بعد ڈرائیونگ آمنہ نے سنبھالی اور عمران آنکھیں موند کر آرام کرنے لگا تھا۔

بچے حسبِ معمول اپنی باتوں اور اردگرد کے نظاروں میں گم تھے۔ البتہ کبھی کبھی ارشد چلّا اٹھتا۔

"ارے وہ دیکھو، بھیڑ کا بچہ یا۔" یا پھر اسے کوئی جنگلی جانور نظر آجاتا۔ تو اس کا جوش و خروش دیکھنے والا ہوتا تھا۔ آمنہ اسے ڈانٹتی۔

"شور نہ کرو، دیکھ نہیں رہے میں ڈرائیونگ کر رہی ہوں۔"

آمنہ مشاق ڈرائیور تھی لیکن ان پہاڑی راستوں پر وہ ہمیشہ بے حد محتاط رہتی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ یہاں پر ڈرائیونگ کے دوران میں ایک غلطی عام طور سے آخری غلطی ثابت ہوتی تھی۔ اسے باپ کو پیش آنے والا حادثہ نہیں بھولتا تھا۔ اس کے بعد وہ اور محتاط ہو گئی تھی۔ ڈرائیونگ کے دوران میں اس کے اعصاب کشیدہ ہی رہتے تھے۔ وہ صبح روانہ ہوئے تھے اور سہ پہر کے بعد وادی تک پہنچے تھے۔ روایت کے مطابق وہ پہلے حویلی میں بڑوں کو سلام کرنے کے لیے گئے پھر عمران اور بچے سامان سرہاؤس میں رکھنے چلے گئے۔ آمنہ حویلی میں رک گئی تھی۔

چوکیدار عمردراز ایک جوان اور تنومند شخص تھا۔ اس کے پاس ایک سیون ایم ایم رائفل تھی جو اس کی اپنی تھی۔ عمران نے اسے رائفل کا لائسنس بنوا دیا تھا۔ اگرچہ ان کے علاقے میں کوئی پوچھنے والا نہیں تھا لیکن عمران غیر قانونی کام کا قائل نہیں تھا لہٰذا اس نے اپنی جیب سے چوکیدار کو رائفل کا لائسنس بنوا کر دیا تھا۔ وہ جیپ کی آواز سن کر سرہاؤس کے عقبی حصے سے برآمد ہوا تھا۔ اس نے مؤدبانہ انداز میں عمران کو سلام کیا اور سرہاؤس کا سامنے کا دروازہ کھولنے لگا۔ عمران نے محسوس کیا کہ اس نے ان کی آمد پر اتنی خوشی کا اظہار نہیں کیا تھا۔ جتنی کہ وہ پہلے کرتا تھا۔ وہ ایک شگفتہ مزاج شخص تھا جو شستہ مذاق کرنا جانتا تھا مگر اس بار وہ سنجیدہ تھا۔

"کیا بات ہے عمردراز تم اتنے سنجیدہ کیوں ہو؟" وہ سامان اٹھا کر اندر لے جا رہا تھا کہ عمران نے پوچھ لیا۔

"کچھ نہیں صاب۔" اس نے ٹالنے والے انداز میں کہا۔

"نہیں کچھ نہ کچھ ہوا ہے۔" عمران نے کہا "کیا کسی نے کچھ کہا ہے۔"

"یہ بات نہیں ہے صاب۔" اس نے کہا پھر ہچکچاتے ہوئے بچوں کی طرف دیکھا۔ عمران سمجھ گیا کہ وہ ان کے سامنے کہنے سے ہچکچا رہا ہے۔ اس نے بچوں سے کہا۔

"آپ لوگ جا کر اپنا سامان سیٹ کریں۔"

وہ سامان لے کر اندر چلے گئے۔ عمران سمرہاؤس کے سامنے رکھی کرسیوں میں سے ایک پر بیٹھ گیا۔ عمردراز اس کے پاس ہی آکھڑا ہوا تھا۔ اس نے کہا "صاب' ام سوچ رہا تھا کہ آپ سے کہوں یا نہیں۔ شاید آپ اماری بات کا یقین نہ کرے۔"

"تم بات بتاؤ' یقین کرنے نہ کرنے کا مجھ پر چھوڑ دو۔" عمران نے نرمی سے کہا۔ ویسے اسے اتنی طویل تمہید کھل رہی تھی۔

"صاب۔" چوکیدار ایک دم کسی قدر بیمار نظر آنے لگا تھا "اس جگہ کوئی ہوائی چیز (آسیب) ہے۔ ام نے اکثر راتوں کو آوازیں سنا ہیں لیکن جب اٹھ کر دیکھا تو کوئی نہیں ہوتا۔ ایک بار گھر کے سب دروازے کھلا ملے حالانکہ چابیاں امارے پاس ہی تھیں۔"

"تمہارا وہم ہوگا۔" عمران نے کہا "ممکن ہے کوئی چور آیا ہو۔"

"امارے ہوتے ہوئے چور کیسے آسکتا ہے۔" عمردراز کو طرہ آگیا تھا "خدا کی قسم یہاں ایک تنکا بھی غائب ہو تو میں چوکیداری چھوڑ دوں گا پر صاب اگر کوئی چور تھا بھی تو اس نے کچھ چرایا کیوں نہیں۔"

"کیا اس وقت تم سو رہے تھے؟" عمران نے پوچھا۔

"نہیں صاب' ام رات کو جاگتا ہے صرف دن کو سوتا ہے۔ اس روز ام ادھر ہی تھا۔" اس نے سامنے والے دروازے کی طرف اشارہ کیا "ام کو لگا کہ کوئی اس گنجے درخت کے پاس کھڑا ہے۔ شاید وہ آدمی تھا۔ رات کا وقت تھا۔ آسمان پر چاند بھی نہیں تھا۔ صرف تاروں کی روشنی تھی۔ پہلے ام نے اسے للکارا پھر ٹارچ سے لائٹ پھینکا۔ وہاں ایک عورت کا جھلک نظر آیا۔"

"عورت کا جھلک۔" عمران چونکا "کیسی تھی وہ؟"

"صاب یہ تو نہیں معلوم لیکن اس نے کالے کپڑے پہن رکھے تھے اور سر کا بال کھلا تھا۔ جب ام بھاگ کر درخت کے پاس آیا تو وہ غائب تھی۔ ام خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں صاب کہ وہاں کوئی عورت تھا جو بھاگ گیا۔ ام واپس آیا تو گھر کے تمام دروازے کھلے تھے۔"

"تم نے اندر دیکھا تھا؟"

"جی صاب' ایک ایک کمرا دیکھا' سب کے دروازے کھلے تھے لیکن اندر کوئی نہیں تھا۔ ام نے سامان بھی دیکھا۔ پر کچھ غائب نہیں تھا۔ ام نے تالے پھر بند کر دیے۔"

عمردراز نے عورت کا جو حلیہ اور پھر اس کے غائب ہونے کے بارے میں بتایا تو عمران کا ذہن اس پُراسرار جوڑے کی طرف چلا گیا جو اسے درخت کے پاس نظر آیا تھا اور پھر پُراسرار طور پر غائب ہوگیا۔ اس کا دماغ الجھنے لگا تھا لیکن پھر اس نے سر جھٹکا۔ "اس میں اتنا سنجیدہ ہونے کی کیا بات ہے؟"

"صاب' یہ کسی آدمی کا کام نہیں ہوسکتا۔" اس نے سنجیدگی سے کہا "ام صرف دو تین منٹ کے لیے یہاں سے ہٹا تھا کہ کسی نے آکر سارے تالے کھول دیے جبکہ چابیاں امارے پاس تھیں۔ آخر ایسا کون ہوسکتا ہے صاب ام کو رات کو اکثر باہر چلنے پھرنے اور بولنے کی آوازیں آتی ہیں لیکن کوئی بھی نظر نہیں آتا۔ میں نے چھپ کر بھی دیکھا۔ ایک بار عورت کا آواز آتا تھا۔ وہ ہنستی تھی۔ یقین کرو صاب' اس کی ہنسی سن کر امارا رونگٹا کھڑا ہوجاتا تھا۔ پر وہ نظر نہیں آتی تھی۔ آواز درخت کی طرف سے آتا تھا۔ پر اماری ہمت نہیں ہوئی کہ.... اس طرف جاتا۔"

"تمہیں ڈر لگتا ہے؟" عمران نے اکسانے والے انداز میں کہا۔

"ام بزدل نہیں ہوں صاب۔" عمردراز جھلا گیا "لیکن کوئی سامنے بھی تو آئے۔" وہ ہچکچایا "صاب انسان ہوائی چیزوں سے تو نہیں لڑسکتا۔"

عمران ہنس رہا تھا "یہاں کوئی ہوائی چیز نہیں ہے اور ہے بھی تو اب میں آگیا ہوں۔ ہم مل کر دیکھ لیں گے۔"

اسی وقت بچے باہر آگئے۔ عمران نے عمردراز کو جانے کا اشارہ کیا اور اندر چلا گیا۔ بچوں نے دو بیڈ رومز میں ڈیرا جمالیا تھا۔ تیسرا بیڈ روم ان کے لیے مخصوص تھا۔ بچوں نے ماں باپ کا سامان بھی سیٹ کردیا تھا اور پھر عمران سے اجازت لے کر باغات کی طرف روانہ ہوگئے۔ سرما میں پوری وادی اجڑ سی جاتی تھی۔ درخت پتوں سے محروم ہوکر بے لباس ہوجاتے تھے۔ سبزہ جل جاتا تھا اور جب برف باری ہوتی تو پوری وادی سفید رنگ اوڑھ لیتی تھی مگر اس بار اب تک برف باری نہیں ہوئی تھی بلکہ سرما کی بارش بھی نہیں ہوئی تھی اور موسم معتدل حد تک سرد تھا۔ لوگ فکرمند تھے۔ انہیں معلوم تھا کہ برف باری یا بارش نہ ہوئی تو ان کی زمینوں کے لیے گرمیوں میں پانی مناسب مقدار میں دستیاب نہیں ہوسکے گا۔

احمر' شینا اور ارشد ٹنڈ منڈ درختوں کے درمیان سے گزر رہے تھے۔ ان دنوں کوئی کام نہیں تھا لہٰذا باغات میں

ملازم بھی نہیں تھے۔ صرف دو چوکیدار تھے جو نگرانی کرتے رہتے تھے کہ کوئی درختوں کو نقصان نہ پہنچادے۔ ان کے علاقے میں دشمنیاں انسانوں کے علاوہ جانوروں اور درختوں پر بھی اتاری جاتی تھیں۔ اگرچہ کسی میں اتنی جرات نہیں تھی کہ ان باغات کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی دیکھتا لیکن احتیاط لازمی تھی۔ وہ تینوں باغات کے اوپری حصے میں واقع ایک چھوٹی سی عمارت تک پہنچے جو ڈیرے کے طور پر استعمال ہوتی تھی۔ خاص طور پر پھل اتروانے کے دنوں میں صنوبر اور منور زیادہ تر یہیں رہتے تھے۔ حساب کتاب بھی یہیں ہوتا تھا۔ منور نے بھائی کو تجویز دی تھی کہ پھل ٹھیکے پر دینے کے بجائے انہیں خود اتروا کر منڈی میں بھیجنے چاہئیں۔ ان کے پاس ایک ٹرک تھا۔ انہوں نے ایک اور پرانا ٹرک لیا اور پچھلے دو سیزنز سے وہ اپنے پھل خود ہی منڈی تک لے جارہے تھے۔ اس میں محنت زیادہ تھی لیکن انہیں دگنی سے بھی زیادہ رقم مل جاتی تھی۔

وہ تینوں عمارت کے سامنے پہنچے۔ وہاں تالا لگا ہوا تھا۔ شینا کو مایوسی ہوئی "یہ کیا ہم اتنی دور چل کر آئے اور یہاں تالا لگا ہے۔"

"تو تمہارے خیال میں یہاں بینڈ باجے سے ہمارا استقبال ہونا چاہیے تھا۔" احمر نے اسے گھورا۔

اچانک ارشد چیخا "اندر کوئی ہے۔ میں نے کھڑکی سے کسی کو جھانکتے دیکھا تھا۔"

وہ اس کھڑکی کی طرف گھومے جس طرف ارشد نے اشارہ کیا تھا۔ "ہاں پردہ تو ہل رہا ہے۔" شینا نے کہا "اندر کوئی نہ کوئی تو ہے۔"

"اندر کوئی نہیں ہے۔" احمر نے یقین سے کہا "پردہ ہوا سے ہلا ہوگا۔"

"بند گھر میں ہوا کیسے جائے گی۔" شینا نے اعتراض کیا۔

"تو بند گھر میں کوئی کیسے جاسکتا ہے۔" احمر نے شینا کے لہجے میں کہا۔

"لیکن کوئی اندر تھا میں نے خود دیکھا تھا۔" ارشد نے اصرار کیا۔

"ممکن ہے کوئی چور ہو پچھلے دروازے سے گھس آیا ہو۔" احمر نے سوچ کر کہا "آؤ پیچھے کی طرف چلیں۔"

احمر کے یہ کہتے ہی اندر ہل چل سی محسوس ہوئی تھی جیسے کوئی بھاگا ہو۔ وہ تینوں پچھلے حصے کی طرف لپکے۔ یہ سوچے بغیر کہ وہاں کوئی چور ہوا تو انہیں بھی نقصان پہنچا سکتا تھا۔ وہ بڑی تیزی سے پیچھے پہنچے تھے لیکن اندر موجود فرد ان سے زیادہ تیز رفتار ثابت ہوا۔ وہ درختوں میں غائب ہو رہا تھا۔ وہ اس کی صرف ایک جھلک دیکھ سکے تھے پھر وہ غائب ہو گیا تھا۔ پچھلا دروازہ کھلا تھا۔ انہوں نے ڈرتے ڈرتے اندر جھانکا کہ کوئی اور نہ ہو مگر اب اندر کوئی نہیں تھا۔ وہ اندر گئے۔ وہاں سب سامان اپنی جگہ تھا۔ ویسے وہاں چرانے کے لائق کوئی چیز نہیں تھی۔ صرف فرنیچر تھا۔ ایک کمرے میں دفتر تھا اور باقی دو کمروں میں لیٹنے بیٹھنے کے لیے چارپائیاں پڑی تھیں۔ ایک اسٹور بھی تھا۔ جہاں باغ میں کام آنے والے آلات رکھے جاتے تھے۔ بظاہر کوئی چیز غائب نہیں تھی لیکن دو چیزیں مشکوک تھیں۔ ایک پلیٹ جس میں مرغی کی ہڈیاں پڑی تھیں۔ دوسری چارپائی جس کی چادر ظاہر کر رہی تھی کہ اس پر کوئی لیٹا تھا۔

"یہاں کوئی تھا؟" احمر نے کہا۔

"لیکن وہ ہمیں دیکھ کر بھاگ کیوں گیا؟" شینا نے نقطہ اٹھایا "اچانک ان کے عقب میں دروازہ ہلا تو ان کی چیخیں نکل گئی تھیں لیکن یہ اسد تھا جو خشمگیں نظروں سے انہیں دیکھ رہا تھا" تم لوگ یہاں کیا کر رہے ہو؟" اس نے درشت لہجے میں کہا تو ان کی جان نکل گئی۔ وہ ویسے بھی اسد سے بہت ڈرتے تھے حالانکہ اس نے انہیں کبھی ڈانٹا بھی نہیں تھا۔ جاگیر کی ذمے داریاں سنبھالنے اور بھائیوں کی موت کے بعد وہ خاموش سا ہو گیا تھا۔ اس نے اب تک شادی بھی نہیں کی تھی۔ پہلے خیال تھا کہ اس کی شادی ایوب کی بیٹی ماہ نور سے ہوگی لیکن جب اس کی طرف سے ایسا کوئی ارادہ ظاہر نہیں ہوا تو ماہ نور کی شادی اس کے خالہ زاد سے کر دی گئی تھی پھر خاندان والوں نے کوشش کی کہ اسد اور عمران کی بہن شہناز کا رشتہ ہو جائے لیکن عمران کو یہ رشتہ منظور نہیں تھا۔ شہناز اس کی ایک ہی اور لاڈلی بہن تھی اور وہ اسے اسد جیسے اکھڑ شخص سے بیاہنے کے حق میں نہیں تھا پھر اتفاق سے ان کے ایک دور کے کزن کا رشتہ شہناز کے لیے آ گیا۔ یہ آرمی میں میجر تھا' شائستہ اور سلجھا ہوا نوجوان تھا لہٰذا شہناز بھی رخصت ہوئی اور اب اسد پینتالیس برس کی عمر میں بھی کنوارا ہی تھا۔ بچے اسے سامنے دیکھ کر سہم گئے تھے۔

"چچا ہم باغ کی سیر کر رہے تھے۔ اس طرف آئے تو ایک آدمی یہاں گھس کر بیٹھا تھا۔ ہمیں دیکھ کر وہ بھاگ گیا۔"

اس کے چہرے پر تشویش پھیل گئی تھی "تم نے اسے دیکھا تھا۔"

"بس ایک جھلک دیکھی تھی۔" شینا نے کہا "پھر وہ

درختوں میں غائب ہوگیا تھا۔"

"شاید کوئی چور ہوگا۔" اسد نے سوچ کر کہا "لیکن تم تینوں کو یوں اس طرف نہیں آنا چاہیے تھا۔ سردیوں میں پہاڑوں سے بھیڑیے اور ریچھ نیچے آجاتے ہیں۔ وہ کبھی کبھار اس طرف بھی آنکلتے ہیں۔ آئندہ کسی بڑے کے بغیر اس طرف مت آنا۔ چلو واپس۔"

احمر نے اس کی توجہ پلیٹ اور بستر کی طرف دلائی تو اس نے بے پروائی سے کہا "تم لوگ جاؤ میں دیکھ لوں گا۔"

بچے واپس آئے تو آمنہ بھی سمر ہاؤس میں آچکی تھی۔

سورج ڈوبتے ہی سردی کی شدت میں اضافہ ہوگیا تھا۔ انہوں نے آتش دان روشن کرلیے تھے۔ اگرچہ ان کے علاقے میں بجلی اور گیس تھی لیکن عمران اور آمنہ نے روایتی آتش دان منتخب کیا تھا جس میں لکڑیاں جلائی جاتی تھیں۔

احمر پہلے ہچکچایا لیکن پھر اس نے ماں باپ کو ڈیرے پر پیش آنے والے واقعات کے بارے میں بتایا۔ عمران یہ سن کر چونک گیا تھا کہ اس پُراسرار شخص کے جانے کے فوراً بعد اسد وہاں آیا تھا۔ اس نے آمنہ کی طرف معنی خیز نظروں سے دیکھا تو وہ بولی "ممکن ہے وہ اتفاق سے وہاں آئے ہوں۔"

عمران نے تامل کیا "لیکن کسی کو کیا ضرورت ہے کہ ڈیرے پر چھپ کر رہے۔ آخر وہ شخص بچوں کو دیکھ کر کیوں بھاگ گیا تھا اور اس کے رہنے کی چوکیداروں کو کیوں خبر نہیں ہوئی۔"

"یہ بات تو ابو ہی بتا سکتے ہیں۔" آمنہ بولی "منور چچا تو ایک مہینے سے پشاور میں ہیں۔"

"یہ چچا جان ان دنوں حویلی سے زیادہ تر باہر ہی رہنے لگے ہیں۔" عمران نے کہا۔

"ہاں چچی کی وفات کے بعد ان کا دل یہاں کم ہی لگتا ہے۔" آمنہ نے کہا پھر ہنسنے لگی "ممکن ہے انہوں نے پشاور میں کسی سے دل لگالیا ہو۔"

عمران بھی ہنسنے لگا "ان کی عمر بھی بہت زیادہ نہیں ہے۔ مرد کا ساٹھ پاٹھا مشہور ہے اور پھر ہمارے علاقے میں لوگ بڑی عمر میں شادیاں کرتے ہی رہتے ہیں۔ کیا خیال ہے میں بھی ——"

"عمران کیوں آپ میرے ہاتھوں قتل ہونا چاہتے ہیں۔" آمنہ نے دانت کچکچا کر کہا تو اس کا قہقہہ گونج کر رہ گیا تھا۔

رات کا کھانا حویلی میں ہی تھا۔ سرما کی روایتی ڈش میں سجی بڑے اہتمام سے تیار کی گئی تھی۔ بہت دنوں بعد سوائے منور کے پورا خاندان جمع تھا۔ شہناز بھی اپنے شوہر کے ساتھ آئی ہوئی تھی جو ان دنوں آرمی میں کرنل ہوچکا تھا۔ اس کی عمران سے گہری دوستی ہوگئی تھی اور ان میں گاڑھی چھنتی تھی۔ کھانے کے بعد تمام مرد بڑی بیٹھک میں تھے تو عمران نے صنوبر سے پوچھا "بابا' ڈیرے پر ان دنوں کون رہ رہا ہے۔"

صنوبر کے ساتھ اسد بھی چونکا تھا۔ صنوبر نے کہا "کوئی نہیں' ڈیرا مقفل پڑا ہے۔"

"لیکن وہاں بچوں نے کسی کو دیکھا تھا۔ جب وہ ڈیرے تک گئے تو وہ پچھلے دروازے سے نکل کر بھاگ گیا تھا۔" عمران نے انہیں پوری بات بتائی۔ صنوبر حیران نظر آنے لگا "لیکن وہاں تو کوئی نہیں تھا۔ ڈیرے کی چابیاں اسد کے پاس ہیں۔ یہ کبھی کبھار دیکھ بھال کے لیے وہاں چلا جاتا ہے۔"

"اسد لالہ۔" عمران نے اس کی طرف دیکھا "بچوں نے بتایا تھا کہ اس پُراسرار شخص کے بھاگنے کے کچھ دیر بعد ہی آپ وہاں آئے تھے۔ آپ کے خیال میں یہ شخص کون ہوسکتا ہے؟"

اسد سوچ میں نظر آنے لگا۔ "مجھے نہیں اندازہ ہے۔ میں آج خود وہاں ہفتے بھر بعد گیا تھا۔ وہ بھی اتفاق سے۔ مجھے بچوں نے بتایا تھا اور وہاں ایسے آثار تھے جیسے کوئی وہاں رہا ہو۔"

"حالانکہ چابیاں آپ کے پاس تھیں۔" عمران نے استہزائیہ انداز میں کہا تو اسد کا چہرہ سرخ ہونے لگا تھا۔

"ممکن ہے کوئی دروازہ کھلا رہ گیا ہو۔" صنوبر نے جلدی سے کہا "اور کوئی گھس گیا ہو۔"

"یہ کسی چور کا کام نہیں لگتا۔" عمران نے نفی میں سر ہلایا "کسی چور کو کیا پڑی ہے کہ وہاں بیٹھ کر مرغی کھائے اور بستر پر آرام کرے۔ ویسے یہ دونوں چوکیدار کہاں ہیں۔"

"مبارک ولی چھٹی لے کر اپنے گاؤں گیا ہے۔ اس کے باپ کی موت ہوگئی ہے اور بدر خان بیمار ہے۔" صنوبر نے وضاحت کی "لیکن ہم میں سے کوئی نہ کوئی چکر لگاتا رہتا ہے۔"

"اس کے باوجود کوئی آرام سے ڈیرے میں گھس گیا۔ وہاں اس نے کھانا کھایا اور بستر پر آرام کیا۔ اسے کھانا کس نے دیا ہوگا۔" عمران کا لہجہ پھر معنی خیز ہوگیا تو اسد کا صبر جواب دے گیا۔

"کیا تمہارے خیال میں اس اجنبی کو میں نے وہاں رکھا تھا۔ میں نے اسے کھانا دیا تھا؟"

"پھر آپ بتائیے لالہ کہ چابی آپ کے پاس ہوتے کوئی شخص وہاں کیسے گھس گیا؟"

اس سوال پر اسد مدافعانہ انداز اختیار کرنے پر مجبور ہو گیا تھا۔ "ممکن ہے پچھلا دروازہ کھلا رہ گیا ہو۔"

اس کی بات نظر انداز کرکے عمران نے باپ سے کہا "بابا جان، ان دنوں جاگیر پر انوکھے واقعات ہو رہے ہیں۔ میرے سمر ہاؤس کے چوکیدار نے زمین پر کچھ لوگوں کو دیکھا جو بھاگ نکلے اور جب عمردراز ان کے تعاقب سے واپس آیا تو سمر ہاؤس کے تمام دروازے کھلے ہوئے تھے۔"

"اب تم بتا سکتے ہو کہ چابیاں تو عمردراز کے پاس تھیں پھر یہ تالے کس نے کھولے۔" اسد کے لہجے میں طنز تھا۔

"یہی بات میری اور عمردراز کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ کوئی شخص محض چند منٹ میں تمام کمروں کے تالے نہیں کھول سکتا ہے۔ عمردراز تو دبے لفظوں میں اسے بھوتوں کی کارستانی قرار دے رہا ہے۔"

"بھوت۔" اسد ہنس دیا تھا "عمران ہم جیسے جاہل لوگ بھوتوں کی بات کریں تو جچتا بھی ہے لیکن تم تو بہت پڑھے لکھے ہو پھر یہ بھوتوں کی بات....."

"لالہ، یہ میرا نہیں، عمردراز کا خیال ہے لیکن میرے خیال میں یہ کسی انسان کی شرارت ہی ہے۔ دیکھیے پچھلے کچھ عرصے میں ہم پے در پے کئی سانحات سے دوچار ہوئے ہیں۔ یہ سب اتفاق نہیں ہیں۔ ہمیں بہت زیادہ محتاط رہنا چاہیے۔"

ایوب چونکا تھا "تیرا مطلب ہے کہ محبوب لالہ اور انور کی موت حادثہ نہیں تھی۔"

عمران نے سرہلایا "اگر احد اور فرحت کے قتل کے پس منظر میں دیکھا جائے تو محبوب تایا اور چچا کی موت بھی سازش لگتی ہے۔ کوئی ہمارے خاندان کے پیچھے پڑ گیا ہے اور ممکن ہے وہ دوسروں کو بھی ختم کرنے کی فکر میں ہو اس لیے میں کہہ رہا ہوں کہ ہمیں محتاط رہنا چاہیے اور معمول سے ہٹ کر ہونے والی کسی بھی بات پر پوری توجہ دینی چاہیے۔ میرا مشورہ ہے کہ ڈیرے والے واقعے کی پولیس میں رپورٹ درج کرا دیں اور کل ہی دوسرے چوکیداروں کا بندوبست کریں۔"

اسد مسکرانے لگا "تمہاری باتوں سے تو یوں لگ رہا ہے جیسے ہم پر دشمن قبیلہ حملہ کرنے والا ہو۔"

"لالہ، اگر قبیلہ حملہ کرے تو فکر کی بات نہیں ہوگی لیکن ایک چھپا ہوا دشمن پورے قبیلے سے زیادہ خطرناک ہوتا ہے۔"

"یہ ٹھیک کہہ رہا ہے اسد۔" ایوب نے اس کی تائید کی "میرا دل بھی نہیں مانتا کہ محبوب لالہ کا گھوڑے سے گرنا حادثہ تھا۔ سب جانتے ہیں کہ وہ ماہر ترین شہ سوار تھے۔ اس طرح انور ڈرائیونگ میں ماہر تھا۔"

بھائیوں اور باپ کے ذکر پر اسد کی حالت متغیر ہونے لگی تھی۔ اس نے بھیڑیے کی طرح غرا کر کہا۔ "میں ان لوگوں کو چھوڑوں گا نہیں۔"

"کن لوگوں کو؟" عمران نے ہمدردی سے اسے دیکھا۔ "پولیس تمام تر کوشش کے باوجود کسی فرد کا پتا نہیں چلا سکی جو اس حملے میں ملوث ہو۔"

"لیکن میں انہیں تلاش کرلوں گا۔" اسد غرایا "بس ایک بار میرے ہاتھ ان تک پہنچ جائیں پھر....." اس کی مٹھیاں بھنچ گئی تھیں اور جسم پر لرزہ طاری تھا۔ ایوب اور صنوبر نے اسے تھپک کر ٹھنڈا کر دیا۔ وہ صرف تمہارے ہی نہیں ہمارے بیٹے اور بھائی بھی تھے۔ ان کے خون کا بدلہ ہم پر بھی فرض ہے۔" صنوبر نے کہا "لیکن بعض جگہ آکر انسان بے بس ہو جاتا ہے۔"

کرنل اشفاق خاموشی سے ان کی باتیں سن رہا تھا۔ وہ بولا "یہ معاملہ خاصا الجھا ہوا ہے۔ اگر کوئی کسی سے دشمنی کرتا ہے تو اس کے کچھ مقاصد بھی ہوتے ہیں۔ اندھے قتل کرنے والے دہشت گرد بھی کچھ مقاصد رکھتے ہیں مگر احد اور فرحت پر ہونے والا حملہ ٹارگٹ کلنگ تھا۔ آخر قاتل یا قاتلوں کا مقصد کیا تھا۔ انہیں احد، فرحت اور منور چچا سے کیا دشمنی تھی۔"

"احد اور فرحت بہت اچھے نوجوان تھے۔" عمران نے کہا "وہ چاہتے تھے کہ میرے پاس شہر آکر پڑھیں لیکن اسد لالہ سے بات کرتے ہوئے ڈرتے تھے۔"

"مجھ سے۔" اسد چونکا "لیکن کیوں، میں تو ان سے محبت کرتا تھا۔"

"وہ اسی محبت سے ڈرتے تھے کہ انہیں خود سے جدا کرکے شہر نہیں بھیجیں گے۔"

"کاش ... کاش مجھے معلوم ہوتا۔" اسد غمناک انداز میں کہہ کر خاموش ہو گیا۔

رات گئے آمنہ اور عمران سمر ہاؤس کی طرف روانہ ہوئے۔ بچے پہلے ہی جا چکے تھے۔ انہیں جلدی سونے کی عادت تھی۔ بڑی حویلی کے عقبی حصے میں واقع گیٹ سے وہ باہر نکلے جو باغات کی طرف کھلتا تھا۔ ذرا دائیں طرف ویران

قطعہ تھا جس پر ان کا سمر ہاؤس کھڑا تھا۔ اس کی بیرونی روشنیاں جل رہی تھیں لیکن اندر تاریکی تھی۔ صرف لیونگ روم کی لائٹ جل رہی تھی۔ سردی میں غضب کی شدت آ گئی تھی اور وہ گرم کپڑوں کے باوجود کانپ رہے تھے۔ اچانک عمران کے قدم رک گئے۔ اسے درخت کے پاس کوئی سایہ حرکت کرتا ہوا محسوس ہوا تھا۔ اس نے آمنہ سے کہا۔

"اس طرف کوئی ہے۔"

"کک... کون۔" آمنہ نے ڈر کر اس کا بازو تھام لیا۔

عمران بغور درخت کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اب وہاں کوئی حرکت نہیں تھی۔ خوف زدہ آمنہ اسے کھینچتے ہوئے سمر ہاؤس تک لے آئی۔ وہاں عمر دراز نظر نہیں آرہا تھا۔ عمران نے اسے آواز دی۔ دوبارہ آواز دی لیکن جواب نہ ملنے پر اس کی چھٹی حس خطرے کا سگنل دینے لگی۔ وہ پہلے آمنہ کے ساتھ اندر گیا۔ اس نے اسٹڈی روم میں رکھی ٹارچ اور اپنا پسٹل لیا اور باہر نکل آیا۔ آمنہ اسی کے ساتھ تھی۔ انہوں نے سمر ہاؤس کا چکر لگایا۔ وہ عقبی حصے میں پہنچے ہی تھے کہ عمر دراز نظر آگیا۔ وہ منہ کے بل زمین پر گرا ہوا تھا۔ وہ بے اختیار اس کی طرف دوڑے۔

"اسے کیا ہوا؟" آمنہ بولی۔

"بے ہوش ہے۔" عمران اس کی نبض دیکھتے ہوئے بولا۔ "اس کے سر پر چوٹ کا نشان تھا اور خون بہہ کر جم رہا تھا۔ عمران نے اسے اٹھایا اور اندر لیونگ روم میں لے آیا۔ آمنہ جلدی سے میڈیکل باکس اٹھا لائی۔ پہلے ڈیٹول ملے گرم پانی سے اس کا زخم صاف کیا۔ شاید ڈیٹول زخم پر لگا تو عمر دراز کو ہوش آنے لگا۔ اگلے دس منٹ میں اس کے حواس بیدار ہو گئے تھے۔ تلخ کافی کے ساتھ پین کلر کھا کر وہ چاق و چوبند ہو گیا۔ تب عمران نے پوچھا۔

"کیا ہوا تھا؟"

"معلوم نہیں صاحب۔ میں پچھلے حصے کی طرف آہٹ سن کر اس طرف گیا تھا۔ وہاں ایک عورت میری طرف پشت کر کے کھڑی تھی۔"

"تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ وہ عورت تھی۔" عمران نے اس کی بات کاٹی۔

آمنہ کی وجہ سے عمر دراز نے قدرے ہچکچا کر جواب دیا "اس... کا جسم عورت جیسا تھا۔"

"پھر کیا ہوا؟"

"پھر معلوم نہیں کس نے میرے پیچھے سر پر کچھ مارا اور میں بے ہوش ہو گیا۔"

اچانک آمنہ چونکی "میرے بچے۔" پھر وہ بچوں کے بیڈ روم کی طرف لپکی۔ عمران اس کے پیچھے تھا لیکن سب خیریت تھی۔ بچے سکون سے اپنے بستروں پر سو رہے تھے۔ وہ واپس لیونگ روم میں آئے جہاں عمر دراز شرمندہ سا بیٹھا ہوا تھا۔ عمران نے پوچھا "یہ واقعہ کتنی دیر پہلے پیش آیا؟"

"گیارہ بج کر پچپن منٹ پر۔" عمر دراز نے سوچ کر کہا۔ "کیوں کہ ایک منٹ پہلے میں نے گھڑی دیکھی تھی۔ اس وقت گیارہ بج کر چون منٹ ہو رہے تھے۔" اس کی کلائی پر ڈیجیٹل گھڑی تھی۔

آمنہ چونکی یعنی تقریباً اسی وقت جب وہ حویلی سے نکلے تھے۔ اسے اچھی طرح یاد تھا کہ گیارہ بج کر پچاس منٹ ہوئے تھے۔" اس کا مطلب ہوا کہ درخت کی طرف نظر آنے والا سایہ آپ کا وہم نہیں تھا۔" اس نے عمران سے کہا "شاید عمر دراز پر حملہ کرنے والا ہماری آمد کی وجہ سے بھاگ نکلا۔"

عمران بھی یہی سوچ رہا تھا۔ چوکیدار کو زخمی کرنے کا مطلب تھا کہ آنے والوں کے عزائم نیک نہیں تھے۔ اچانک وہ چونکا۔

"اس عورت کا حلیہ کیسا تھا؟" اس نے عمر دراز سے پوچھا۔

"اس نے سیاہ کپڑے پہن رکھے تھے اور اس کے بال کھلے ہوئے تھے۔" عمر دراز نے کہا۔ یہ تقریباً ویسا ہی حلیہ تھا جو عمران کو درخت کے پاس ایک مرد کے ساتھ نظر آئی تھی۔ وہ پھر الجھ گیا۔ آخر چکر کیا تھا۔ عمر دراز نے اسے چونکایا۔

"کوئی ضرورت نہیں ہے۔" آمنہ نے اسے ڈانٹا "دودھ پیو اور سو جاؤ۔ اپنی حالت دیکھی ہے۔"

"میں شرمندہ ہوں بیگم صاحب۔ میں اپنا فرض پورا نہیں کر سکا۔ مجھے جانے دیجیے۔"

لیکن آمنہ نے اسے مجبور کر کے لیونگ روم میں سونے پر مجبور کر دیا تھا پھر عمران اور آمنہ بیڈ روم میں آ گئے۔ وہ کپڑے بدل کر بستر پر آئے تو عمران کسی قدر فکر مند تھا۔ اس نے آمنہ کو بڑی حویلی میں ہونے والی گفتگو سنائی۔ وہ سوچ میں پڑ گئی۔ "عمران مجھے لگ رہا ہے 'یہ دشمن ہم میں سے ہی ہے ورنہ کسی دوسرے کو کیا پڑی ہے یہ سب کرنے کی۔"

"لیکن اس کی وجہ؟"

آمنہ نے اس کی آنکھوں میں دیکھا "دولت اور جاگیر' کیا اتنی بڑی جاگیر کچھ کم محرک ہے۔ وہ جو کوئی بھی ہے' حصے داروں کی تعداد کم کر رہا ہے۔"

آمنہ کی بات نے اس کی نیند اڑا دی تھی۔ وہ اٹھ بیٹھا

"یہ ..... یہ تو میں نے سوچا ہی نہیں تھا۔" وہ بڑبڑایا "مگر ایسا کون کرسکتا ہے؟"

ان دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا اور بیک وقت ان کے ذہن میں ایک ہی نام آیا لیکن انہوں نے اس کے اظہار سے گریز کیا۔ آمنہ نے کہا "وہ جو کوئی بھی ہے، ہمارا اور ہمارے بچوں کا دشمن ہے پھروہ جی جان سے کانپ گئی۔ آنے والا خیال ہی اتنا لرزہ خیز تھا۔ "عمران اگر ہمیں آنے میں تھوڑی سی دیر ہوجاتی تو؟"

"کچھ نہیں ہوتا، خدا سب کا رکھوالا ہے۔"

"لیکن یہ جگہ بہت خطرناک ہے کوئی بھی آسانی سے اندر آسکتا ہے۔ عمران ہم کل ہی حویلی چلتے ہیں۔"

"تم ضرورت سے زیادہ حساس ہورہی ہو۔ وہ جو کوئی بھی ہے، اتنی جرأت نہیں کرسکتا کہ ہم پر کھل کر حملہ کرے۔"

"یہی تو زیادہ خطرناک بات ہے۔" آمنہ کی آواز لرز رہی تھی "ہم چھپے ہوئے وار سے کیسے بچ سکتے ہیں۔ خدا کے لیے اس غیر محفوظ جگہ سے نکل چلیں۔"

"صبح دیکھیں گے۔" عمران نے نرمی سے کہا "اب سوجاؤ۔"

درحقیقت عمران کے رگ وپے میں چنگاریاں سی دوڑ رہی تھیں۔ یہ سوچ کر کہ کوئی اس کا اور اس کے خاندان کا دشمن ہورہا ہے۔ وہ بے شک پڑھا لکھا اور روشن خیال سہی لیکن ایک پٹھان بھی تھا۔ جان کے دشمن کو معاف نہ کرنے کا قائل اور دشمن بھی وہ جو اس کے خاندان کے کم از کم دو افراد کی جان لے ہی چکا تھا۔ اس نے فیصلہ کیا کہ وہ ہر وقت مسلح رہے گا اور اگر درخت کے پاس اسے کوئی مشکوک مرد یا عورت نظر آئے تو وہ ان پر فائر کردے گا۔

صبح آمنہ سکوت کے ایک احساس کے ساتھ بیدار ہوئی۔ اس نے اٹھ کر پردے سرکائے تو باہر کا منظر دیکھ کر مبہوت رہ گئی۔ باہر برف گر رہی تھی۔ روئی کے گالوں کی طرح پھولی ہوئی اور ٹھہری ہوئی ہوا کے دوش پر بڑی نرمی سے۔ اس نے بے اختیار عمران کو جھنجوڑ کر اٹھا دیا۔ وہ آنکھیں ملتا شیشے تک آیا تھا۔ وہ دونوں دیر تک کھڑے یہ منظر دیکھتے رہے۔ برف باری ان کے لیے کوئی نئی چیز نہیں تھی لیکن سمر ہاؤس میں ان کی یہ پہلی برف باری تھی۔ اس کا احساس ہی انوکھا تھا۔

پھر بچوں کے شور نے انہیں چونکایا۔ وہ اٹھ گئے تھے اور گرتی برف دیکھ کر تھوڑے سے پاگل ہوگئے تھے۔ خاص طور سے ارشد تو نائٹ سوٹ میں ہی باہر نکل گیا۔ زمین پر تین چار انچ برف گر چکی تھی اور اوپر سے مزید گالے آرہے تھے۔ وہ برف سے کھیلنے لگے۔ اس کے گولے بناکر ایک دوسرے کو مارنے لگے۔ آمنہ انہیں دیکھتی رہی۔ عمران لیونگ روم میں آگیا جہاں عمران بیدار ہوگیا تھا اور اپنی سیون ایم ایم رائفل کی صفائی کررہا تھا۔ اسے دیکھ کروہ بولا۔

"صاحب اب میں بالکل ٹھیک ہوں۔ مجھے ڈیوٹی پر جانے کی اجازت دو۔"

"چلے جانا۔" عمران نے اس کا زخم دیکھا "پہلے جاکر حویلی سے ناشتے کا کہہ آؤ۔"

رات ہی صنوبر نے کہہ دیا تھا کہ بے شک وہ سمر ہاؤس ٹھہریں ..... لیکن ان کا دونوں وقت کا کھانا حویلی سے ہی جائے گا۔ ان کے پاس ماننے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا ورنہ سمر ہاؤس کے کچن میں ہر قسم کا سامان تھا اور آنے سے پہلے عمران نے اشیائے خورد نوش بھی ڈلوا دی تھیں۔ بہ مشکل بچوں کو ڈانٹ ڈپٹ کر آمنہ نے اندر آنے اور پھر ناشتا کرنے پر مجبور کیا تھا ورنہ ان کا اندر آنے کو بالکل دل نہیں چاہ رہا تھا۔ ناشتے کے دوران میں آمنہ نے مقامی ریڈیو ٹیون کیا جہاں سے موسم کے بارے میں بتایا جارہا تھا۔ آج دن بھر برف باری وقفے وقفے سے جاری رہنے کا امکان تھا اور رات گئے سرد ہوائیں چلنا شروع ہوجائیں گی جن کی وجہ سے درجۂ حرارت نقطۂ انجماد سے کئی درجے نیچے چلا جائے گا۔ خبریں سن کر آمنہ نے بچوں سے کہا کہ وہ گرم جیکٹیں دستانے، مفلر، ٹوپے اور برف میں پہننے والے جوتے نکالیں۔ ان کے بغیر اب وہ باہر نہیں جاسکتے تھے۔

"امی باہر تو گرمی ہے۔" ارشد نے ٹھنک کر کہا۔

"گرمی نہیں ہے حبس کی وجہ سے گرمی کا احساس ہورہا ہے۔" آمنہ نے انہیں سمجھایا "ورنہ سردی اچھی خاصی ہے اور جب ہوائیں چلنا شروع ہوں گی تو موسم اور بھی سرد ہوجائے گا۔ سب گرم کپڑے پہن کر ہی باہر جائیں گے ورنہ اندر بیٹھو۔"

اس دھمکی نے بچوں کو مجبور کردیا تھا۔ بادلِ ناخواستہ انہوں نے گرم کپڑے اور جوتے پہنے البتہ دستانے اور مفلر لینے سے انکار کردیا۔ بچے باہر نکلے تو عمران کا موڈ بھی ہونے لگا اس نے کہا "چلو ہم بھی اوپر تک گھوم کر آئیں۔"

خود آمنہ بھی نکلنا چاہتی تھی "میں ابھی شال لے کر آتی ہوں۔"

اگرچہ آمنہ پردہ نہیں کرتی تھی لیکن حویلی میں آنے کے بعد باہر نکلتے وقت چادر یا شال ضرور لیتی تھی۔ عمران نے

کوٹ پہن لیا۔ جاتے ہوئے انہوں نے عمر دراز کو ہوشیار رہنے کو کہا اور بچوں کو ہدایت دی کہ احاطے سے دور نہ جائیں۔ وہ باغات کے درمیان سے گزر کر اوپر بنائے جانے والے چھوٹے سے ڈیم کی طرف بڑھے جو اکتوبر کے آخر تک جاری رہنے والی بارشوں کے سبب پانی سے بھرا ہوا تھا۔ یہ پانی اگلے موسمِ برسات تک پوری وادی کو سیراب کرنے کے کام آتا۔

برف باری اب ہلکی ہو رہی تھی لیکن گالے اب خاصے بڑے تھے۔ ڈیم سے بننے والی جھیل میں یہ گالے کنول کے پھولوں کی طرح تیر رہے تھے۔ یہ پگھل کر رفتہ رفتہ غائب ہوجاتے اور ان کی جگہ دوسرے گالے لے لیتے تھے۔

"کس قدر خوب صورت منظر ہے۔" آمنہ نے کہا "وہ ایک درخت تلے ایک پتھر پر بیٹھے تھے۔"

"ہوں' ایسے ہی لمحات زندگی کا حاصل ہوتے ہیں۔" عمران نے سرگوشی میں کہا "ایسے ہی لمحات میں دل چاہتا ہے کہ زندگی ٹھہر جائے یا یہیں ختم ہوجائے۔"

"خدا نہ کرے۔" آمنہ نے گھبرا کر اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا "کیسی باتیں کرتے ہیں۔"

"تم تو یوں پریشان ہو گئیں جیسے میں ابھی اپنے خیال پر عمل کرلوں گا۔" وہ ہنسا "ویسے ایک بات بتاؤ کہ مجھے کچھ ہو گیا تو تم کیا کرو گی؟"

"یہ آپ کیسی باتیں کررہے ہیں۔" آمنہ روہانسی ہونے لگی۔ "آپ کے بغیر میں زندہ رہ کر کیا کروں گی۔"

عمران کو اپنی غلطی کا احساس ہوا وہ اتنے خوب صورت موسم اور ماحول میں بالکل غلط بات کررہا تھا۔ اس نے موضوع بدل دیا لیکن اس سے آمنہ کی کبیدگی ختم نہیں ہوئی تھی۔ بالآخر وہ وہاں سے اٹھ گئے۔ دوپہر تک وہ گھر آگئے تھے پھر حویلی سے عمران کے لیے پیغام آگیا۔ منور خان آگیا تھا۔ عمران اور آمنہ چچا سے ملنے چلے گئے۔

○☆○

رات گئے عمران کی آنکھ کسی آواز سے کھلی تھی۔ وہ کچھ دیر تک سوچتا رہا کہ یہ کیسی آواز تھی پھر اسے خیال آیا کہ اس نے لکڑی چٹخنے جیسی کوئی آواز سنی تھی۔ وہ اس وقت نیم بے داری کی کیفیت میں تھا۔ کھانے کے بعد اس کے سینے میں جلن ہونے لگی تھی۔ بدہضمی کی وجہ سے اسے نیند بھی اچھی طرح نہیں آئی تھی۔ اسی وجہ سے معمولی سی آواز سے اس کی آنکھ کھل گئی تھی۔ اس نے اٹھ کر دیکھا تمام دروازے اور کھڑکیاں اندر سے بند تھے۔ آواز باہر سے ہی آئی تھی۔

اس نے ٹارچ لی اور اپنا پسٹل لے کر باہر نکلا۔ عمر دراز سامنے نہیں تھا۔ اس نے آہستہ سے اسے آواز دی۔ چند لمحے بعد وہ عقبی حصے کے سامنے آگیا۔ وہ پریشان نظر آرہا تھا۔

"کیا بات ہے عمر دراز؟" اس نے پوچھا "یہ آواز کیسی آئی تھی۔"

"میں بھی آواز سن کر پیچھے کی طرف گیا تھا" وہ بولا "ایسا لگ رہا تھا جیسے کوئی باغ میں چل رہا ہو لیکن وہاں کوئی نہیں تھا۔ میں زیادہ آگے نہیں گیا۔"

"تم ذرا چاروں طرف چکر لگاؤ۔" عمران نے کہا۔ وہ مطمئن نہ تھا۔ باغات سمر ہاؤس سے اتنی دور تھے کہ وہاں سے لکڑی چٹخنے کی آواز یہاں تک نہیں آسکتی تھی۔ خاص طور سے بند کمروں میں۔ آواز یقیناً پاس سے ہی ابھری تھی۔ عمر دراز سمر ہاؤس کے گرد کا معائنہ کرنے چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد عمران نے ٹنڈ منڈ درخت کی طرف دیکھا تو چونک گیا۔ وہاں اسے کوئی حرکت محسوس ہوئی لیکن تاریکی اتنی تھی کہ وہ حرکت کی نوعیت نہیں سمجھ سکا تھا۔ اس نے ٹارچ جلا کر روشنی درخت کی طرف پھینکی۔ اس طرف واضح طور پر ہل چل تھی۔ وہ درخت کی طرف دوڑا۔ آج وہ ان پُراسرار حرکتوں کے ذمّے داروں تک پہنچنا چاہتا تھا مگر درخت کے آس پاس کوئی نہیں تھا۔ اس نے ٹارچ کی روشنی اِدھر اُدھر کی پھر اس کی نظر درخت کے تنے کے سوراخ پر جم کر رہ گئی۔ اس کے ایک حصے سے لکڑی ٹوٹی ہوئی تھی جب کہ پہلے یہ حصہ ٹوٹا ہوا نہیں تھا۔ اسے اچھی طرح یاد تھا۔ وہ بے اختیار نیچے جھکا۔ اسے شک ہونے لگا۔ تصدیق کے لیے اس نے جھک کر سوراخ میں ٹارچ کی روشنی ڈالی پھر جو اسے نظر آیا' اس نے اسے منجمد کردیا۔ تاریک خلا سے چمک سی ابھری۔ اسے سینے میں شدید درد محسوس ہوا اور اس سے پہلے کہ وہ درد کی نوعیت سمجھ سکتا اس کا ذہن تاریکیوں میں گم ہوگیا۔

عمر دراز سمر ہاؤس کا چکر لگا رہا تھا کراہ سن کر چونکا۔ وہ تیزی سے سامنے والے حصے کی طرف بھاگا۔ عمران وہاں نہیں تھا۔ وہ درخت کی طرف دوڑا جہاں اسے روشنی نظر آرہی تھی۔ یہ روشنی عمران کے ٹارچ کی تھی۔ جو زمین پر گری ہوئی تھی مگر عمر دراز کی توجہ عمران کی طرف تھی جو ہاتھ پیر پھیلائے لیٹا تھا۔ اس کے سینے پر خون پھیلا ہوا تھا جو عین دل کے مقام پر ایک سوراخ سے ابل رہا تھا۔ اس کی بے نور آنکھیں آسمان کو دیکھ رہی تھیں۔

○☆○

یہ سب سوچتے ہوئے آمنہ بہ مشکل اپنے آنسو روکے

ہوئے تھی۔ آج اس واقعے کو ایک سال ہونے کو آیا تھا لیکن آمنہ کو یوں لگتا تھا جیسے یہ کل کی بات ہو۔ عمران سے بچھڑ کر وقت اس کے لیے رک گیا تھا۔ وہ منظر اس کی آنکھوں میں موجود تھا جب اس نے آخری بار عمران کو دیکھا تھا پھر وہ بے ہوش ہوگئی تھی اور جب اسے ہوش آیا تو عمران اپنے آخری سفر کے لیے تیار تھا۔ آمنہ کی دنیا اجڑ گئی تھی لیکن وہ مری نہیں۔ وہ زندہ رہی تھی۔ مرنے والوں کے ساتھ کوئی نہیں مرتا۔ یہ بات اس نے ان دنوں میں جانی تھی۔ دنیا کی مجبوریاں انسان کو زندہ رہنے پر مجبور کرتی ہیں۔ اس کے پاس تو تین بچے اور ان کی ذمّے داریاں تھیں۔ اس چیز نے اسے ہمت کرنے پر مجبور کردیا تھا۔

عمران کے بعد کاروبار اسے ہی سنبھالنا تھا۔ خوش قسمتی سے عمران کو اسٹاف بہت محنتی، پُرخلوص اور ایماندار ملا تھا۔ جب تک آمنہ عدت میں رہی، وہ پوری اہلیت سے کاروبار چلاتے رہے۔ پرانے آرڈرز کی تکمیل کرتے رہے اور نئے آرڈرز بھی حاصل کیے۔ فرم کا جنرل منیجر روز ہی شام کو ان کے گھر آتا تھا اور آمنہ کو بزنس کے بارے میں بریفنگ دیتا تھا۔ اہم فیصلوں پر اس کی رضامندی حاصل کرتا اور متعلقہ فائلوں پر اس کے سائن حاصل کرتا کیونکہ فرم کے معاہدے کی رو سے ایک فریق کی موت کی صورت میں دوسرا خود بہ خود فرم کا مالک بن جاتا۔ عدت کے بعد وہ دفتر جانے لگی۔ اسے کسی مددگار کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی کیونکہ دفتر کا عملہ اس سے پوری طرح تعاون کر رہا تھا۔ اس میں ان کا بھی مفاد تھا۔ اگر فرم ختم ہوجاتی تو ان کے لیے دوبارہ اتنی اچھی ملازمتوں کا حصول ممکن نہیں تھا۔

بچے باپ کی اچانک موت سے متاثر ہوئے تھے۔ خاص طور سے شینا جو باپ سے زیادہ نزدیک تھی لیکن جلد انہوں نے ماں کے لیے خود کو سنبھال لیا۔ احمر اے لیول کر رہا تھا۔ اس کے بعد اس کا ارادہ بزنس مینجمنٹ پڑھنے کا تھا۔ ارشد کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ ویسے اسے رنگوں سے کھیلنا اچھا لگتا تھا۔ وہ کم عمری کے باوجود اچھی خاصی تصویر بنالیتا تھا۔

مین ہائی وے سے آمنہ نے وادی کی طرف جانے والا راستہ اختیار کیا تو اسے کچھ دور ایک جیپ کھڑی نظر آئی۔ کوئی شخص اس کے بونٹ پر جھکا ہوا تھا پھر قریب جاتے ہی آمنہ نے بے اختیار بریک لگایا۔ یہ اسد تھا جو جیپ پر جھکا ہوا تھا۔ اس میں یقیناً کوئی خرابی تھی۔ بچے اسے دیکھ کر چلائے "اسد چچا۔" تو آمنہ کو حیرت سی ہوئی تھی۔ اسے بچوں سے اتنے پُرجوش رویے کی توقع نہیں تھی۔ وہ اسد کو ناپسند تو نہیں کرتی تھی لیکن عمران کی موت کے بعد اس سے کترانے لگی تھی۔ ویسے بھی اس کے بعد صرف دوسری بار وہ وادی کی طرف جا رہی تھی۔ ایک بار اسد اس کے پاس اسلام آباد آیا تھا۔ وہ اس سے پوچھنا چاہتا تھا کہ اسے کسی قسم کی مدد کی ضرورت تو نہیں ہے لیکن پھر اس کے سرد رویے کو دیکھ کر وہ واپس چلا گیا تھا۔ درمیانی نسل میں وہی ایک مرد رہ گیا تھا اور پوری جاگیر کا کام اس نے اکیلے ہی سنبھال رکھا تھا۔ ایوب کو بھائی کے صدمے نے عضو معطل بنادیا تھا تو صنوبر کو بیٹے کی جوان مرگ لے بیٹھی تھی۔ وہ اکثر بیمار ہی رہا کرتا تھا۔ آمنہ نے کئی بار اصرار کیا کہ وہ اس کے پاس شہر آکر رہے لیکن صنوبر اس سرزمین کو نہیں چھوڑنا چاہتا تھا۔ جہاں اس کے آباؤاجداد ہی نہیں، اس کا اکلوتا بیٹا بھی دفن تھا۔

اسد جیپ کے پاس آیا۔ "خوش آمدید۔" اس نے مسکرا کر کہا "بہت دنوں بعد وادی میں رونق آئے گی۔"

"آپ یہاں کیوں آئے ہیں۔" آمنہ نے سپاٹ انداز میں کہا "جیپ میں کوئی خرابی ہے؟"

یک دم اسد تھکا تھکا سا نظر آنے لگا "میری طرح، یہ جیپ بھی بوڑھی ہوگئی ہے۔" وہ بولا۔

"چچا آپ ہمارے ساتھ آجائیے۔" احمر نے کہا "جیپ کسی سے منگوا لیجیے گا۔"

اسد نے سوالیہ نظروں سے آمنہ کی طرف دیکھا تو اس نے کسی قدر ہچکچاہٹ کے ساتھ فرنٹ ڈور کھول دیا۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ اسد اس سیٹ پر بیٹھے جس پر کبھی عمران بیٹھا کرتا تھا۔ مسئلہ یہ تھا کہ پچھلی نشست پر جگہ نہیں تھی۔ اس نے خاموشی سے جیپ آگے بڑھا دی۔ اسد بچوں سے باتیں کرنے لگا۔ اپنے مزاج کے برعکس اس کے انداز میں بے تکلفی تھی۔ وہ ان سے ہنسی مذاق بھی کرتا جا رہا تھا۔ آمنہ کو یہ سب اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ اس کے نزدیک اسد کی حیثیت اور شخصیت مشکوک تھی اور وہ ایسے شخص کو اپنے بچوں کے پاس نہیں دیکھنا چاہتی تھی مگر اس کی مجبوری یہ تھی کہ وہ بچوں کو منع بھی نہیں کرسکتی تھی۔

اتفاق سے اس بار بھی برف باری ابھی شروع نہیں ہوئی تھی۔ ایوب اور صنوبر بڑی حویلی کے وسیع احاطے میں شام کی کمزور دھوپ سے لطف اندوز ہوتے مل گئے۔ آمنہ اور بچوں کو دیکھ کر وہ کھل اٹھے تھے۔ خاص طور سے صنوبر بے حد خوش تھا۔ اب یہ پوتے اور پوتی ہی اس کے لیے سب کچھ تھے۔ اسد، ایوب سے باتیں کرنے لگا اور آمنہ اندر زنان خانے میں چلی گئی۔ ماں اسے دیکھ کر بے حد خوش ہوئی تھی پھر

دادی اور نانی بے قراری میں بچوں سے ملنے خود باہر چلی گئی تھیں۔ آمنہ ماہ نور سے باتیں کرنے لگی۔ باتوں باتوں میں آمنہ کے منہ سے اسد کے بارے میں نکل گیا کہ وہ ان کے ساتھ ہی آیا تھا۔ ماہ نور انکشاف کرنے کے انداز میں بولی۔

"اسد لالہ' بہت بدل گئے ہیں۔ تم نے دیکھا کتنے نرم ہوگئے ہیں۔ اب تو ملازموں سے بھی نرمی سے بات کرتے ہیں۔ جاگیر کے ساتھ باغوں کا کام بھی سنبھال لیا تھا۔"

یہ واقعی آمنہ کے لیے انکشاف تھا۔ ایک لمحے کو اس کے اندر اشتعال کی لہری اٹھی کیونکہ باغوں میں اس کا بھی حصہ تھا اور اس سے پوچھے بغیر باغات اسد کے حوالے کردیے گئے تھے۔ وہ چونکی' ماہ نور کہہ رہی تھی "اسد لالہ نے علاقے میں بچوں کے لیے ایک مڈل اسکول کھلوایا ہے جو اگلے سال میٹرک تک ہوجائے گا۔ اسپتال بھی بن رہا ہے۔"

یہ واقعی ایسے کام تھے جن کی کسی جاگیردار سے توقع نہیں کی جاسکتی تھی مگر آمنہ متاثر نہیں ہوئی۔ اس کا غصہ کم نہیں ہوا تھا لہٰذا جب رات کے کھانے کے بعد سب اپنے کمروں میں چلے گئے تو وہ صنوبر خان کے پاس جا پہنچی۔ وہ لوگ بڑی حویلی میں ہی ٹھہرے تھے۔ صنوبر خان بڑی بیٹھک میں تھا اور انگیٹھی کے پاس چارپائی بچھا کے بیٹھا سبز قہوہ پی رہا تھا۔ اسے دیکھ کر وہ شفقت سے مسکرایا "آمنہ بچے تو ٹھیک ہیں نا؟"

یک دم وہ اُداس ہوگئی تھی۔ سسر اور چچا کے لہجے پر اس کا دل بھر آیا تھا۔ یہ تو وہی جانتی تھی کہ اپنے مرد سے بچھڑ کر عورت کتنی ادھوری ہوجاتی ہے۔ اس نے سرہلایا اور بولی "بابا جان' میں آپ سے کچھ پوچھنے کی اجازت چاہتی ہوں۔ اگر آپ برا نہ مانیں؟"

"باغات کے بارے میں نا۔" صنوبر نے پیالی رکھی "کہ میں نے وہ اسد کے حوالے کیوں کردیے۔"

آمنہ ششدر رہ گئی "آپ جانتے ہیں؟"

"ہاں۔" اس نے سرہلایا "پھر تمہارے سوال سے پہلے میں سوال کروں گا۔ یہ باغات میں اسد کے حوالے نہ کرتا تو پھر کس کے حوالے کرتا۔ میری تو اتنی صحت نہیں رہی کہ اب کام کرسکوں۔"

آمنہ خود کو لاجواب محسوس کرنے لگی۔ واقعی اگر اسد ان کی زمینوں کو نہ سنبھالتا تو پھر کون سنبھالتا۔ آمنہ کے لیے یہ ممکن نہیں تھا۔ وہ خود کاروبار دیکھ رہی تھی اور احمر ابھی اس لائق نہیں ہوا تھا کہ زمینیں دیکھ سکے۔ ویسے بھی اسے باپ کی طرح اس سے دلچسپی بھی نہیں تھی۔ اس نے پہلے ہی کہہ رکھا تھا کہ وہ کاروبار کرے گا۔

"لیکن آپ کو کم از کم مجھ سے پوچھ تو لینا چاہیے تھا۔" اس نے کہا تو صنوبر افسردہ نظر آنے لگا۔

"ہاں مجھ سے غلطی ہوگئی۔ میں نے سوچا تھا کہ تم میرے فیصلے سے رضامند ہوگی پر..." اس نے گہری سانس لی تو آمنہ تڑپ گئی۔ اس نے اپنا سر اس کے گھٹنوں پر رکھ دیا تھا۔

"ایسا مت کہیے بابا جان' آپ میری جان بھی لے سکتے ہیں۔ یہ تو صرف زمین ہے۔ میں نے ہمیشہ آپ کو بابا کی جگہ سمجھا ہے۔ اب اس دنیا میں میرا سوائے آپ لوگوں کے کوئی نہیں ہے۔"

صنوبر نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا "میں ناراض نہیں ہوں آمنہ لیکن یہ جاگیر سنبھالنا مردوں کا ہی کام ہے۔ ہمارے علاقے میں عورت کام نہیں کرسکتی۔ یہی سوچ کر میں نے اسد کو زمین کا انتظام دے دیا ہے۔ وہ بھی اپنا ہی بچہ ہے۔ پہلے مزاج کا سخت تھا۔ اب وہ بھی نہیں رہا۔ دل کا تو وہ ہیرا ہے۔ کاش تو سمجھ سکے تو..." یک دم صنوبر خاموش ہوگیا۔

"تو کیا بابا جان؟" آمنہ بولی مگر صنوبر نے اسے ٹال دیا۔

"کچھ نہیں رات بہت ہوگئی اب تو جاکر آرام کر۔ لمبا سفر کرکے آئی ہے۔"

وہ بیٹھک سے باہر نکلی تو سامنے اسد نظر آیا۔ وہ یہ سوچ کر گھبرا گئی کہ اس نے ان کی باتیں نہ سن لی ہوں لیکن اسد کے تاثر سے ایسا نہیں لگ رہا تھا۔ وہ سردی کے اس عالم میں بھی کہیں باہر سے آرہا تھا۔ اس نے پوچھا۔

"آمنہ' چچا جاگ رہے ہیں۔ مجھے ان سے کچھ کام ہے۔"

"ہاں۔" اس نے اثبات میں سرہلایا "کیا کام ہے؟"

"آؤ تم بھی سن لینا۔" اس نے کہا "معاملہ تمہاری زمین کا بھی ہے۔"

صنوبر انہیں ساتھ آتے دیکھ کر چونکا "اسد اتنی رات گئے' خیریت تو ہے!"

اسد اور ایوب ابھی تک شمالی حویلی میں ہی رہ رہے تھے۔ اسد نے سرہلایا "سب ٹھیک ہے چچا۔ میں زمینوں کے سلسلے میں مشورہ کرنے آیا تھا۔"

"بولو... بولو..." صنوبر اٹھ بیٹھا پھر آمنہ سے بولا "آمنہ قہوہ نکال۔"

وہ ان کے لیے کیتلی سے قہوہ نکالنے لگی۔ اسد نے کہا "آج میری محکمۂ زراعت کے ایک افسر سے بات ہوئی تھی۔ محکمہ ان دنوں ہمارے علاقے میں ریشم کے کیڑوں اور شہد کی مکھی پالنے کے لیے تربیتی پروگرام شروع کررہا ہے۔ میں

چاہتا ہوں کہ ہمارے آدمی بھی اس پروگرام میں شامل ہوں۔"

"تم باغ والی طرف یہ کیڑے پالنا چاہتے ہو؟" صنوبر بات کی تہ تک پہنچ گیا۔

آمنہ نے انہیں قہوہ دیا "وہاں اس کی گنجائش ہے!" اس نے خشک انداز میں پوچھا۔

اسد نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ "ہاں گنجائش بہت ہے۔ شہد کی مکھی کے بکس درختوں کے ساتھ رکھ سکتے ہیں۔ البتہ سلک وارم پالنے کے لیے ایک مختصر سی عمارت کی ضرورت ہوگی اس کے لیے زمین موجود ہے۔"

"کہاں ہے زمین؟" صنوبر خان نے کہا۔

"سمر ہاؤس کے پاس جو خالی ٹکڑا ہے۔ وہاں سلک وارم ہاؤس بن سکتا ہے۔"

آمنہ حیرت سے اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ گفتگو میں انگریزی الفاظ خاصی مہارت سے استعمال کررہا تھا۔ اسے دل میں تسلیم کرنا پڑا کہ اسد میں تبدیلی آئی تھی پھر اسے یاد آیا کہ ان کی گفتگو کا موضوع کیا تھا۔

"آپ وہاں سلک وارم ہاؤس نہیں بنا سکتے۔" آمنہ نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

"مگر کیوں؟" اسد نے سکون سے پوچھا۔

"کیونکہ عمران وہاں ایک باغ بنانا چاہتے تھے۔ میرا مطلب ہے کہ لان۔"

"اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا کیونکہ مجھے بہت تھوڑی جگہ چاہیے۔ صرف سو مربع گز۔ یہ زمین تو ایک ایکڑ سے بھی زیادہ ہے۔" اسد کے انداز میں اصرار تھا۔ آمنہ کو غصہ آرہا تھا جب وہ انکار کررہی تھی تو یہ شخص اتنا اصرار کیوں کررہا تھا۔ چچا سسر کے سامنے انکار کرنا اسے اچھا نہیں لگ رہا تھا لیکن وہ اسے من مانی کی اجازت بھی نہیں دے سکتی تھی۔ اس نے انکار میں سرہلایا۔

"میں اس سرزمین کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا بھی نہیں دے سکتی۔ اس سے پرائیویسی متاثر ہوگی۔ ہاں اگر آپ بنانا چاہیں تو باغات میں بہت گنجائش ہے۔"

"اس کے لیے ہمیں درخت کاٹنے پڑیں گے۔" اسد نے کہا "خیر میں شمالی حویلی کے ساتھ خالی جگہ پر کام کرلوں گا۔"

آمنہ نے اطمینان کا سانس لیا تھا۔ اسے ڈر تھا کہ چچا کہیں اسد کی تائید نہ کردیں۔ ایسی صورت میں اس کے لیے انکار مشکل ہوجاتا۔ شوہر کے بغیر عورت کی زندگی کس قدر مشکل ہوجاتی ہے' یہ اس نے عمران کے بعد جانا تھا اس کی موت بلاشک وشبہ ایک قتل تھی مگر ساتھ ہی بے حد پراسرار بھی۔ عمرداز کو وہاں پہنچنے میں صرف چند سیکنڈ لگے تھے اور اتنی جلدی قاتل کا غائب ہونا ناممکن تھا۔ عمرداز کو دور دور تک کوئی نظر نہیں آرہا تھا۔ عمران کے سینے کا زخم بتارہا تھا کہ اس پر چند سیکنڈ پہلے وار کیا گیا ہے۔ خون ابھی زیادہ نہیں پھیلا تھا مگر وار عین دل کے مقام پر کسی تیزدھار آلے سے کیا گیا تھا جس نے فوری طور پر عمران کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ عمرداز کی چیخ سن کر آمنہ بیدار ہوگئی تھی۔ عمران کو بستر پر نہ پاکر وہ گھبرا گئی پھر باہر بھاگی۔ عمرداز کی آواز نے اس کی رہنمائی کی اور وہ ٹنڈ منڈ درخت تک جاپہنچی۔ اس نے عمران کی لاش دیکھی اور پھر اسے ہوش نہیں رہا تھا۔

بعد میں پولیس ہفتوں مغزماری کرتی رہی لیکن کوئی سرا نہ پاسکی۔ انہوں نے عمرداز کو ہی گرفتار کرلیا تھا اور اس پر خاصا تشدد بھی ہوا تھا۔ صنوبر نے بہ مشکل اسے چھڑایا تھا۔ اسے یقین تھا کہ عمرداز اس کے بیٹے کا قاتل نہیں ہوسکتا تھا۔ ساتھ ہی اسے یہ یقین بھی آگیا کہ کوئی آہستہ آہستہ ان کے خاندان کو ختم کررہا تھا۔ اب صرف اسد ہی ایک جوان مرد رہ گیا تھا۔ باقی خاندان کا نام چلانے والوں میں احمر اور ارشد ہی باقی تھے۔ ایوب' صنوبر اور منور تو چراغ سحری تھے۔ کسی وقت بھی بجھ سکتے تھے۔ خاص طور سے ایوب مسلسل بیمار رہنے لگا تھا۔ صنوبر نے احتیاط کے خیال سے حویلی اور جاگیر کے محافظوں میں اضافہ کردیا تھا۔ اب حویلی کا کوئی فرد بھی بغیر محافظوں کے کہیں نہیں جاتا تھا۔

○☆○

آمنہ دیر سے سونے کے باوجود صبح جلدی بیدار ہوگئی تھی۔ پرندوں کی آواز سن کر وہ شال لے کر باہر نکلی۔ اسے سردیوں کی صبحیں ہمیشہ سے اچھی لگتی تھیں۔ جب دھند سی چھا جاتی تھی اور ہلکی سی روشنی ہر چیز کو ایک مختلف انداز دے رہی ہوتی تھی۔ وہ عقبی باغ میں نکلی تھی پھر کچھ سوچ کر فصیل کے عقبی دروازے سے باہر نکل آئی۔ سامنے ویران سا سمر ہاؤس تھا۔ سمر ہاؤس دیکھ کر اسے بے اختیار عمران یاد آگیا۔ اس کے دل میں ٹیس سی اٹھی تھی۔ اس نے پلٹ کر ٹنڈ منڈ درخت کی طرف دیکھا جو دھند میں لپٹا کسی دیو قامت عفریت جیسا لگ رہا تھا... جس کے متعدد ہاتھ ہوں۔ اچانک اسے درخت کے تنے کے ساتھ کوئی نظر آیا۔ حرکت سے یہ اندازہ کرنا دشوار تھا کہ وہ کوئی انسان تھا یا جانور۔ وہ بے اختیار درخت کی طرف بڑھی۔ یہ انسان ہی تھا جو اس کی طرف

پشت کر کے کھڑا تھا۔ اسے یوں لگا جیسے وہ عمران ہو۔ اس کا عمران۔ وہ اسے پکار بیٹھی "عمران۔"

وہ پلٹا تو یہ اسد تھا جو درخت کے ساتھ لگا کھڑا تھا۔ پتلون اور چرمی جیکٹ میں وہ عقب سے بالکل عمران لگا تھا۔

"آمنہ تم اس وقت یہاں کیا کر رہی ہو۔" اس کے انداز میں ہلکی سی برہمی تھی۔

"آپ یہاں کیا کر رہے ہیں؟" آمنہ نے اس کے سوال کو نظرانداز کر کے پوچھا۔

اسد خاموش ہو گیا پھر کہا "تمہیں یوں اکیلے اس طرف نہیں آنا چاہیے۔ چچا صنوبر کو معلوم ہوگا تو وہ ناراض ہوں گے۔"

"سنیے اسد' یہ جگہ میری پراپرٹی ہے اور مجھے یہاں آنے کے لیے کسی کی اجازت کی ضرورت نہیں ہے۔" کوشش کے باوجود آمنہ اپنی برہمی پر قابو نہیں پا سکی تھی۔ اسد مسکرانے لگا..... اس نے نرمی سے کہا۔

"شاید اس جگہ میری موجودگی کو تم پسند نہیں کر رہی ہو۔"

"کیا آپ کی اس جگہ موجودگی معنی خیز نہیں ہے جہاں پُراسرار واقعات پیش آتے رہے ہیں اور جہاں.... عمران کی .... لاش ملی تھی۔" اس نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا تو اسد ایک دم سنجیدہ ہو گیا تھا۔

"آمنہ تمہارے دل میں کیا ہے۔ تم کھل کر کہو۔"

"کیا آپ فائدے میں نہیں ہیں۔" وہ طنزیہ انداز میں بولی "ان حالات میں صرف آپ ہی ایک فرد ہیں جو فائدے میں ہیں۔"

اسد کا چہرہ زرد ہونے لگا تھا "تم.... تم مجھ پر شک کر رہی ہو۔ اس خاندان پر گزرنے والے واقعات میں میرا.... میرا ہاتھ ہے۔ میں دولت اور جاگیر کے لیے اپنے لوگوں کو مار رہا ہوں۔"

آمنہ اس کے لہجے پر شرمندہ ہونے لگی "میرا یہ مطلب...."

"آمنہ خان' تم شاید بھول رہی ہو۔ تمہارا تو صرف شوہر چھینا ہے لیکن میرا تو باپ اور بھائی چھن چکے ہیں۔ تمہارے پاس بچے ہیں' میرے پاس تو کچھ نہیں ہے پھر بھی تم کہتی ہو کہ میں فائدے میں رہا۔ ہاں۔" اس نے ہنکارا بھرا "اگر یہ فائدہ ہے تو مجھے ایسا فائدہ نہیں چاہیے۔" اس کا چہرہ انگارے کی طرح دہکنے لگا تھا۔

"پلیز اسد' میں معافی چاہتی ہوں۔ جانے کس رو میں' میں یہ بات کہہ بیٹھی تھی۔"

اس نے گہری سانس لی "یہ رو نہیں تھی آمنہ خان جو تمہارے دل میں تھا وہ زبان پر آ گیا ہے۔ مجھے اس وقت خود پر ترس آ رہا ہے کہ تم مجھے اتنا گرا ہوا گھٹیا انسان سمجھتی ہو۔" یہ کہتے ہی وہ جھٹکے سے مڑ کر چلا گیا۔ آمنہ اسے نہ روک سکی تھی۔ بے اختیار اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور وہ تنے سے لگ کر سسک اٹھی تھی۔ روتے ہوئے اس کی نظر درخت کے تنے کے سوراخ پر پڑی تھی۔ وہ اس کی طرف جھکی' سوراخ کے اوپر کچھ لگا ہوا تھا۔ اس نے دیکھا تو اس کی آنکھیں پھیل گئیں۔ یہ کسی عورت کے بال تھے بلکہ بالوں کا اچھا خاصا گچھا تھا۔ بال سیاہ تھے اور تنے کے سوراخ کی ایک درز میں پھنس کر رہ گئے تھے۔ اس نے جھک کر سوراخ میں دیکھا۔ اندر تاریکی تھی لیکن نہیں وہاں کوئی چیز تھی۔ اس چیز کو دیکھنے کے لیے اس نے سر سوراخ میں کیا۔ اچانک کوئی شے اس کی گردن پر جم گئی اس کے منہ سے ایک طویل چیخ نکلی۔ اسے یوں لگا جیسے وہ زمین میں کھنچی جا رہی ہو۔ وہاں تاریکی تھی اور بے انتہا گھٹن تھی پھر اس کا ذہن تاریکی میں ڈوبتا چلا گیا۔

کچھ دور نکل جانے والے اسد کو وہ چیخ صاف سنائی دی تھی۔ وہ پلٹا اور اندھا دھند درخت کی طرف بھاگا۔ ساتھ ہی وہ چلا چلا کر آمنہ کو آواز دے رہا تھا لیکن پہلی چیخ کے بعد اس کی کوئی آواز نہیں آئی تھی۔ وہ درخت کے پاس پہنچا لیکن آمنہ وہاں نہیں تھی۔ وہ اردگرد دوڑنے لگا۔ ساتھ ہی وہ چیخ چیخ کر حویلی کے محافظوں کو آوازیں دے رہا تھا۔ ایک منٹ کے اندر وہ دوڑے چلے آئے تھے۔ اس نے دھاڑ کر انہیں اردگرد آمنہ کو تلاش کرنے کا حکم دیا۔ وہ چاروں طرف پھیل گئے۔ ان کے ساتھ حویلی کے ملازمین بھی تھے۔ وہ بھی آمنہ کو ڈھونڈنے لگے اور انہوں نے چند منٹ میں پورا علاقہ چھان مارا تھا لیکن آمنہ کا کہیں پتا نہیں تھا۔ شور سن کر باغات سے چوکیدار بھی آ گئے۔ انہوں نے بتایا کہ انہوں نے کسی کو باغات کی طرف آتے نہیں دیکھا تھا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے آمنہ کو زمین کھا گئی تھی یا آسمان نگل گیا تھا۔ اسد دیوانہ ہو رہا تھا۔ اسی اثنا میں صنوبر خان بھی وہاں آ گیا اسے کسی ملازم نے اطلاع دی تھی۔ اس نے آتے ہی اسد کو پکڑ لیا۔

"کیا ہوا' آمنہ کہاں ہے؟"

"معلوم نہیں۔" اسد نے بہ مشکل خود کو چھڑایا "میں اسے درخت کے پاس چھوڑ کر گیا تھا پھر اس کی چیخ سنائی دی اور جب میں یہاں آیا تو آمنہ غائب تھی۔"

”کیسے غائب ہوگئی۔“ صنوبر خان کا دل دھک سے رہ گیا۔
”وہ یہاں کیا کر رہی تھی؟“

”وہ ٹہل رہی تھی۔“ اسد نے جواب دیا۔

”اور تم یہاں کیا کر رہے تھے؟“ صنوبر کی نظریں اس پر جم گئیں۔

اسد کسی قدر ہچکچایا ”میں بھی گھومنے کے لیے نکلا تھا۔“

صنوبر اس کے جواب سے مطمئن نظر نہیں آرہا تھا مگر اس نے کچھ کہنے کے بجائے محافظوں اور ملازموں پر توجہ دی جو آمنہ کو تلاش کر رہے تھے۔ اگلے ایک گھنٹے میں انہوں نے جاگیر اور اس سے اوپر کا پورا جنگل چھان مارا تھا۔ انہیں خدشہ تھا کہ آمنہ کو کوئی جنگلی جانور نہ اٹھا لے گیا ہو مگر ان کے علاقے میں کوئی اتنا بڑا جنگلی جانور نہیں تھا جو انسان کو اٹھا کر لے جائے۔ ریچھ تھا مگر وہ انسان کو اٹھا کر نہیں لے جاتا۔ اس طرح بھیڑیے بھی شکار کو اٹھانے کے بجائے اسے چیرنے پھاڑنے پر زیادہ توجہ دیتے تھے۔ آخر سب متلاشی تھک ہار کر واپس آگئے۔ ڈیڑھ گھنٹے بعد گھوڑے پر سوار اسد بھی واپس آگیا تھا۔ اس کے چہرے پر تھکن اور آنکھوں میں ویرانی سی تھی۔

دو گھنٹے بعد علاقے کا ایس ایچ او آگیا تھا کیونکہ معاملہ ایک با اثر خاندان کی عورت کا تھا اس لیے اس نے خود آنا مناسب سمجھا ورنہ اس قسم کے واقعات کی تفتیش کے لیے وہ کسی اے ایس آئی کو روانہ کر دیتا تھا۔ انسپکٹر گل شیر روایتی پولیس مین تھا۔ اس کی حد سے بڑھی توند بتا رہی تھی کہ اس نے خاصا حرام مال کھا رکھا ہے۔ اس کی چھوٹی آنکھوں میں مکاری کی چمک تھی اور چہرے کے نقوش پر کرختگی عیاں تھی۔ اس نے مؤدبانہ انداز میں صنوبر خان کو سلام کیا۔ اس وقت بیٹھک میں سوائے صنوبر اور اسد کے کوئی نہیں تھا۔ ایوب کو انہوں نے بتایا نہیں کیونکہ اس کی طبیعت خراب تھی جبکہ منور خان حسب معمول کہیں گیا ہوا تھا۔ اسد نے تفصیل سے انسپکٹر کو بتایا کہ کیا واقعہ پیش آیا تھا۔ یہ سن کر اس کی آنکھوں میں چمک آگئی تھی۔

”آپ دونوں اتنی صبح وہاں کیا کر رہے تھے؟“ اس نے پوچھا۔

اسد نے بہ مشکل اپنا غصہ ضبط کیا تھا۔ ”میں آپ کو بتا چکا ہوں کہ ہم وہاں کس طرح جمع ہوئے اور پھر کیا واقعہ پیش آیا۔ اس پر بھی آپ اس قسم کے سوال کر رہے ہیں۔“

”سوال کہاں چھوٹے خان۔“ وہ معنی خیز انداز میں بولا ”ہم تو تفتیش بھی کر سکتے ہیں۔ یہ بات کچھ سمجھ میں نہیں آتی کہ آپ کے گھر کی ایک عورت آپ کے سامنے غائب ہو جاتی ہے اور آپ کہتے ہیں کہ آپ کو کچھ معلوم نہیں۔ یہ بتائیے کہ آپ کے علاوہ کس نے اس کی چیخ سنی تھی۔“

اسد نے نفی میں سر ہلایا ”نہیں میں ہی سب سے قریب میں ہی تھا۔ ویسے بھی چیخ عجیب سی تھی یوں لگا جیسے کسی نے اس کا منہ یا گلا دبا دیا ہو۔“

انسپکٹر کی آنکھوں کی چمک بڑھ گئی تھی۔ وہ کچھ دیر گھما پھرا کر سوال کرتا رہا پھر اس نے جائے وقوع کا معائنہ کیا۔ اس نے بے دلی سے درخت اور اس کے آس پاس دیکھا۔ اسد اس کے ساتھ تھا۔ گل شیر نے معنی خیز انداز میں کہا۔

”چھوٹے خان، پچھلے کچھ عرصے سے آپ کے خاندان کے ساتھ بڑے عجیب واقعات پیش آرہے ہیں۔ پہلے آپ کے والد ایک حادثے میں فوت ہوئے پھر آپ کے چچا کی جیپ کھڈ میں گر گئی۔ اس کے ساتھ دو اور آدمی مارے گئے پھر آپ کے دو بھائیوں پر قاتلانہ حملہ ہوا۔ منور خان اس حملے میں زخمی ہوئے۔ قاتلوں کا پتا نہیں چلا پھر آپ کے چچا زاد بھائی عمران پر حملہ ہوا۔ وہ مارے گئے۔ ان کی موت تو پُراسرار بھی تھی۔ ہمیں آپ کے چوکیدار پر شبہ تھا لیکن آپ اس کو چھڑا کر لے گئے۔ اب آپ کی چچا زاد بہن غائب ہے جو تقریباً نصف جاگیر کی مالک بھی ہے۔“

”انسپکٹر تم کہنا کیا چاہتے ہو؟“ اسد نے پوچھا۔

”صرف یہ خان جی کہ معاملہ خاصا پُراسرار ہے۔ یہ تمام وارداتیں ایک دوسرے سے جڑی ہوئی ہیں۔ یہ سب ایک ہی سلسلے کی کڑیاں ہیں۔ وہ جو کوئی بھی ہے، ایک ایک کر کے جاگیر کے وارثوں کو موت کے گھاٹ اتار رہا ہے تاکہ آخر میں ساری جاگیر کا اکیلا وارث بن جائے۔“

”انسپکٹر کھل کر کہو کیا تم مجھ پر شک کر رہے ہو۔“ اسد کا لہجہ سرد تھا۔

”ارے توبہ خان جی، میری یہ مجال کہ آپ پر انگلی اٹھاؤں۔ میں تو آپ کا خادم ہوں۔“ وہ معنی خیز انداز میں بولا۔

”تم جو سوچ رہے ہو، وہ غلط ہے۔“ یہ کہہ کر اسد حویلی کی طرف بڑھ گیا تھا۔

اسد حویلی میں داخل ہوا ہی تھا کہ شینا دوڑتے ہوئے آکر اس سے لپٹ گئی۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ ”اسد چچا۔ میری امی۔“ اس نے کہا۔

اسد نے اس کے سر کو تھپکا ”وہ مل جائیں گی۔“ اس نے تسلی دی۔

"چچا مجھے ڈر لگ رہا ہے۔ پہلے ابو چلے گئے اور اب امی۔" وہ رونے لگی "مجھے امی لا کر دیں۔"

اسد نے اسے اندر لا کر بٹھایا۔ "مت رو میری بیٹی، میں تمہاری امی کو تلاش کروں گا۔"

ارشد اور احمر بھی اس کے پاس آ گئے تھے۔ وہ لڑکے تھے اس لیے رو نہیں رہے تھے لیکن ان کے دل کی کیفیت ان کے چہروں سے ظاہر تھی "چچا ہم امی کو تلاش کریں گے۔" ارشد نے کہا۔

"ہرگز نہیں تم میں سے کوئی حویلی سے باہر نہیں نکلے گا۔" اسد کا لہجہ اتنا سخت تھا کہ وہ سہم کر رہ گئے۔ وہ دوبارہ نرمی سے بولا "دیکھو بچو، حویلی سے باہر خطرہ ہے اور ہمیں نہیں معلوم کہ خطرہ کیسا ہے اور تم لوگ ابھی بچے ہو۔"

"ہم باہر نہیں جائیں گے۔" احمر نے بے دلی سے کہا۔

○☆○

آمنہ کو یوں لگ رہا تھا جیسے وہ کسی سرنگ میں کھنچی جا رہی ہو۔ بے ہوشی کا وقفہ عارضی ثابت ہوا تھا لیکن اس کا ذہن یہ جاننے میں ناکام رہا تھا کہ اس کے ساتھ کیا ہو رہا تھا۔ بس لاشعور سے رہ رہ کر ایک ہی خیال ابھر رہا تھا کہ وہ کسی بہت بڑے خطرے سے دوچار ہو چکی تھی۔ اس خطرے سے جس کا سامنا عمران نے کیا تھا اور پھر اسے موت اچک کر لے گئی تھی۔ اسے یوں لگا کہ اس کے منہ پر کوئی کپڑا سا آ گیا ہو جس کے عقب سے روشنی جھلک رہی تھی۔ اس نے منہ سے کپڑا ہٹانے کی کوشش کی تو انکشاف ہوا کہ اس کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں۔ صرف ہاتھ ہی نہیں بلکہ اس کا پورا جسم ایک کرسی سے بندھا ہوا تھا۔ یہ ادراک ہوتے ہی وہ بڑی تیزی سے ہوش میں آئی تھی۔ اس کی آنکھیں بند تھیں لیکن چھٹی حس بتا رہی تھی کہ وہ اس جگہ اکیلی نہیں تھی بلکہ اس کے آس پاس کچھ اور لوگ بھی تھے۔ یہ خیال آتے ہی اس کے بدن میں خوف کی لہر دوڑ گئی تھی۔

اچانک ایک مردانہ کھرکھراتی آواز ابھری "عورت بڑی شاندار ہے۔"

"بکواس نہ کر جامی۔" دوسری آواز کسی عورت کی تھی۔ نسوانیت سے بھرپور۔ "تو جانتا نہیں، یہ کون ہے؟"

"تو اسے کیا پتا چلے گا۔" جامی خباثت سے ہنسا۔ اس کے لہجے میں موجود جذبہ آمنہ نے صاف محسوس کیا تھا۔ یہ حقیقت تھی کہ وہ ایک بھرپور عورت تھی جس کے حسن میں کوئی کمی نہیں آئی تھی۔ آج بھی مرد اسے دیکھ کر دل تھام لیتے تھے مگر عمران کے بعد اس نے مرد کا خانہ اپنی زندگی سے خالی کر دیا تھا ورنہ اب بھی اسے کوئی اچھا ہمسفر مل سکتا تھا۔

اچانک اس کے چہرے سے کپڑا ہٹ گیا۔ یہ ایک غلاف تھا جسے اس کے سر پر چڑھا دیا گیا تھا۔ پہلے تو اچانک روشنی سے اس کی آنکھیں چکاچوند ہو گئی تھیں پھر اس کی نظر وہاں موجود مرد اور عورت پر پڑی۔ وہ دونوں سیاہ کفن جیسے لباس میں تھے۔ عورت کے خدوخال تیکھے اور آنکھیں متورم تھیں۔ اس کے بال لمبے اور سیاہ تھے۔ نہ جانے کیوں وہ آمنہ کو جانی پہچانی لگی تھی۔ اس کا ساتھی جامی ایک کریہہ صورت شخص تھا جس کی ایک آنکھ بڑی اور ایک چھوٹی تھی۔ اس کا گال ایک طرف سے چرا ہوا تھا جس پر ٹانکوں کے نشان بھیانک لگ رہے تھے۔ وہ حریص نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

آمنہ نے ہمت کر کے کہا "کون ہو تم لوگ اور یہ کون سی جگہ ہے؟"

جامی مسکرانے لگا جب کہ عورت بے حد سرد نگاہوں سے اس کا جائزہ لے رہی تھی۔ اس نے مرد سے کہا "تم نے اس کے منہ سے کپڑا اتار کر غلطی کی۔ اس نے ہمارے چہرے دیکھ لیے ہیں۔"

"تو کیا فرق پڑتا ہے؟" وہ معنی خیز انداز میں بولا "یہ کسی کو بتائے گی تھوڑی جا کر۔"

آمنہ کے بدن میں سرد سی لہر دوڑ گئی تھی۔ وہ اس کا مطلب اچھی طرح سمجھ رہی تھی۔ جب وہ زندہ ہی نہیں بچے گی تو کسی کو بتائے گی کیا پھر وہ سوچنے لگی کہ یہ دونوں ابھی کس کے بارے میں بات کر رہے تھے کہ اسے کیا پتا چلے گا کہ آمنہ پر کیا گزر گئی ہے۔ ایسا فرد کون ہو سکتا ہے جو اس سے متعلق ہو جسے اس کی پروا بھی ہو اور وہ ان لوگوں کو بھی جانتا ہو۔ اسے اچھی طرح سے یاد تھا کہ بے ہوش ہونے سے پہلے اسے یوں لگ رہا تھا جیسے کسی نے اسے پکڑ کر درخت کے تنے کے سوراخ میں کھینچ لیا ہو۔ اسے حیرت تھی کہ وہ اتنے سے سوراخ میں چلی کیسے گئی تھی۔ اس نے اپنے لباس کا جائزہ لیا جس پر جا بہ جا مٹی، مکڑی کے جالے اور لکڑی کے ریشے چپکے ہوئے تھے۔ یعنی وہ سچ مچ درخت کے اس سوراخ سے گزر کر آئی تھی مگر کیسے۔ یہ وہ نہیں جانتی تھی۔ اگر اس کے ہوش و حواس ساتھ نہ چھوڑتے تو وہ دیکھ لیتی کہ وہ کس جگہ سے گزر کر اس کمرے تک آئی تھی جو اپنی ساخت کے اعتبار سے کوئی تہ خانہ لگ رہا تھا جس میں صرف ایک دروازہ تھا۔ نہ کوئی روشن دان اور نہ کوئی کھڑکی مگر وہاں گھٹن نہیں تھی۔ آمنہ کو لوہے کی جس کرسی پر باندھا گیا تھا۔ وہ دیواروں کے ساتھ زمین میں فکس تھی اور ایسا لگتا تھا کہ اسے لوگوں کو

باندھنے کے لیے ہی بنایا گیا تھا۔ اس کے علاوہ وہاں دیواروں میں لوہے کے کنڈے لگے تھے جن سے فولادی زنجیریں بندھی ہوئی تھیں۔ شاید اس جگہ قیدی رکھے جاتے تھے۔

آمنہ کا دوپٹہ اور شال کہیں گر گئے تھے اور اس کی قمیص بھی کئی جگہ سے بے ترتیب ہو رہی تھی۔ جامی کی حریص نظریں اسے گھور رہی تھیں۔ جن سے اسے خوف آ رہا تھا۔ ان میں لکھے ناپاک عزائم اسے سہا رہے تھے۔ اس نے پھر کہا "تم لوگ کون ہو؟"

عورت مسکرائی "ہمارے بارے میں جان کر کیا کرے گی۔ یہ پوچھ کہ ہم کیا چاہتے ہیں؟؟"

"تم کیا چاہتے ہو؟"

"یہ جو چاہتا ہے' وہ تو تو سمجھ ہی گئی ہے۔" عورت نے جامی کی طرف اشارہ کرکے معنی خیز انداز میں کہا تو اس کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا اور میں جو چاہتی ہوں وہ ہو رہا ہے' اس جاگیر کے وارث کم ہو رہے ہیں۔ اب صرف تین اور رہ گئے ہیں۔ باقی بچے دونوں بڈھے تو وہ صدمے سے ہی مر جائیں گے۔"

"کیا.... کیا کہہ رہی ہو تم۔" آمنہ چیخ اٹھی تھی۔

عورت ہنسنے لگی ۔اس کی ہنسی میں ایک طرح کی سفاکی تھی "ہاں ابھی تین اور مریں گے۔ جن میں تیرے دو بچے بھی شامل ہیں۔"

"نہیں۔" آمنہ چلائی "کتیا' میں تجھے مار ڈالوں گی۔ اگر تو نے میرے بچوں کو ہاتھ بھی لگایا۔"

"کتیا میں نہیں' تو ہے۔" عورت نے حقارت سے کہا "اور میں تجھے کتیا بنا کر چھوڑوں گی لیکن ابھی نہیں۔ چلو جامی۔"

آمنہ پر جیسے دورہ پڑ گیا تھا۔ وہ رسیوں سے زور آزمائی کرنے لگی۔ اس کا چہرہ غصے سے لال ہو رہا تھا اور آنکھوں سے شعلے نکل رہے تھے۔ جامی دلچسپی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ اس نے ہنس کر عورت سے کہا۔

"غصے میں تو یہ اور بھی اچھی لگ رہی ہے۔"

اس نے منہ بنایا "اب اتنی بھی حسین نہیں ہے۔"

عورت اور جامی کمرے سے نکل کر چلے گئے۔ رسیاں بے حد مضبوطی سے بندھی تھیں۔ وہ زور آزمائی کرکے تھک گئی تو بے بسی سے رونے لگی۔ اس عورت نے اسے کھل کر نہیں بتایا تھا لیکن جو کچھ کہا تھا' اس سے اس پر واضح ہو گیا تھا کہ محبوب تایا' اس کے باپ اور فرحت اور عمران کی اموات ایک سازش کا حصہ تھیں جن کا مقصد جاگیر کے وارثوں کو ختم کرکے جاگیر پر کسی ایک فرد کا قبضہ کرانا تھا لیکن وہ فرد کون تھا۔ آمنہ کے ذہن میں ایک ہی نام گونجا تھا۔

"اسد۔" اس نے نفرت سے سوچا اور زمین پر تھوک دیا "مجھے معلوم نہیں تھا کہ یہ شخص اندر سے اس قدر سفاک ہوگا کہ دولت کے لالچ میں اپنے ہی لوگوں کا خون بہائے گا۔ کاش کہ میں اس کا مکروہ چہرہ دنیا کے سامنے لا سکتی کاش۔"

یہ تصور ہی ہولناک تھا کہ اس کے بعد اس کے بچوں اور خاندان کے دوسرے لوگوں کی باری آئے گی۔ یہ شیطان ایک ایک کرکے سب کو اپنے عزائم کی بھینٹ چڑھا دے گا اور وہ اسے روکنے کے لیے کچھ نہیں کر سکتی تھی۔ روکنا تو ایک طرف رہا' وہ خود کو بھی اس کے چنگل سے نہیں بچا سکتی تھی۔ وہ ایک نامعلوم جگہ قید تھی۔ بے بس تھی اور ایک خبیث اس پر اپنی ناپاک نظر رکھے ہوئے تھا۔ جب انسان ہر طرف سے بے بس ہو جائے اور کوئی دنیاوی سہارا نہ رہے تو اسے خدا یاد آتا ہے۔ آمنہ کو بھی وہی یاد آیا تھا۔

○☆○

احمر' شینا اور ارشد ایک جگہ موجود تھے۔ اسد نے ان کے حویلی سے باہر جانے پر پابندی عائد کر دی تھی لیکن وہ فیصلہ کر چکے تھے کہ اپنی ماں کو تلاش کرنے باہر ضرور جائیں گے۔ وہ آپس میں بحث کر رہے تھے کہ ماں کہاں غائب ہو سکتی تھی۔ شینا کا ذہن زیادہ منطقی انداز میں سوچ رہا تھا۔ وہ ویسے بھی اپنی عمر سے زیادہ ذہین تھی۔

"پاپا کی ڈیڈ باڈی اس درخت کے پاس ملی اور امی اس درخت کے پاس غائب ہوئیں۔ اس سے کیا ثابت ہوتا ہے؟"

"یہی کہ یہ درخت اس چکر میں شامل ہے۔" ارشد نے چٹکی بجائی۔

"احمق۔" احمر نے اسے گھورا "بھلا درخت کہاں سے کس چکر میں شامل ہو سکتا ہے۔"

"یہ ٹھیک کہہ رہا ہے۔" شینا نے ارشد کی تائید کی "اس سارے معاملے میں اس درخت کا کوئی نہ کوئی کردار ضرور ہے۔ آخر کیا وجہ ہے کہ جو اس کے پاس جاتا ہے' غائب ہو جاتا ہے۔"

"پاپا نے بھی اس درخت کے پاس کچھ لوگوں کو دیکھا تھا۔" احمر کو یاد آیا ۔انہوں نے یہ بات چھپ کر سنی تھی ورنہ عمران اور آمنہ نے انہیں کچھ نہیں بتایا تھا۔

"رائٹ اور جو پُراسرار انداز میں غائب ہو گئے تھے۔" ارشد نے پھر چٹکی بجائی۔

"ہمیں جا کر اس درخت کو چیک کرنا چاہیے۔" شینا

نے کہا تو احمر نے اس کی تائید کی۔

"شاید ماما کا کوئی سراغ مل جائے۔" احمر نے پُرامید انداز میں کہا۔

اچانک ارشد نے رونا شروع کردیا "میں امی کے پاس جاؤں گا۔ مجھے امی کے پاس لے چلو۔"

شینا اور احمر اسے چمکارنے اور پیار کرنے لگے۔ "ہم امی کو ضرور تلاش کریں گے۔" شینا نے وعدہ کیا۔

ان کے خاندان کی عورت کا غائب ہونا معمولی واقعہ نہیں تھا۔ یہ ان کی غیرت کے لیے بھی ایک تازیانہ تھا۔ آس پاس خاندان کے دیگر افراد بھی حویلی پہنچ رہے تھے اور ان کے گروپس اردگرد کے علاقے کو چھان رہے تھے۔ یہ کوئی نہیں سوچ سکتا تھا کہ آمنہ حویلی سے دور نہیں تھی۔ اسی شام منور خان حویلی پہنچا۔ اس کی آمد اتفاقیہ تھی اور اسے آمنہ کی گمشدگی کا علم حویلی میں آنے کے بعد ہوا تھا۔ یہ خبر سن کروہ مضطرب ہوگیا تھا۔

"آمنہ کیسے غائب ہوئی؟"

اسد نے اسے تفصیل سے یہ سارا واقعہ سنایا۔ پُراسرار درخت کا سن کر وہ چونک اٹھا۔ اسد نے بغور اسے دیکھا۔

"آپ چونکے کیوں؟"

منور خان سوچ میں پڑ گیا تھا پھر اس نے کہا "مجھے عمران کی موت یاد آگئی۔ اس کی لاش بھی درخت کے پاس سے ہی ملی تھی۔"

اس بات نے اسد کو بھی چونکا دیا تھا لیکن اس نے کچھ کہنے سے گریز کیا تھا پھر وہ منور خان کو بتانے لگا کہ انہوں نے آمنہ کو تلاش کرنے کے لیے کیا کیا تھا پھر اس نے محسوس کیا کہ منور خان اس کی بات توجہ سے نہیں سن رہا تھا۔ اس کا ذہن کہیں اور ہی تھا۔ اس کی بے دلی دیکھتے ہوئے اسد خاموش ہوگیا۔ کچھ دیر بعد وہ اٹھا تو منور خان تیزی سے اپنے کمرے کی طرف روانہ ہوگیا۔ اس کے انداز میں عجلت نمایاں تھی۔

○☆○

آمنہ کو اب پیاس محسوس ہورہی تھی۔ بھوک لگنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ پیاس کے باوجود ڈر کے مارے اس نے کسی کو آواز نہیں دی۔ اسے خوف تھا کہ کہیں وہی خبیث نہ آجائے جس کی آنکھوں میں شیطان ناچ رہا تھا۔ بند کمرے میں اسے قطعی علم نہیں تھا کہ کتنا وقت گزر چکا تھا اور یہ دن تھا یا رات تھی۔ بیٹھے اور بندھے ہونے کی وجہ سے اس کا جسم اکڑ گیا تھا۔ وہ احمر، شینا اور ارشد کے بارے میں سوچ رہی تھی کہ ان پر کیا گزر رہی ہوگی۔ اسے معلوم تھا کہ وہ اس کے لیے پریشان ہوں گے۔ خاص طور سے ارشد جو ہر لمحے اس کے ساتھ رہتا تھا اور ایک منٹ کے لیے وہ اس کی نظروں سے دور رہتی تو وہ بے چین ہوکر اسے پکارنے لگتا تھا۔ اب نہ جانے اس کا کیا حال ہورہا ہوگا۔ آمنہ تڑپ اٹھی تھی۔ ہولناک سوچوں کا ایک لامتناہی سلسلہ تھا جو اس پر یلغار کررہا تھا۔ وہ ان سے بچنا چاہ رہی تھی لیکن ان کی یلغار کے آگے بے بس تھی۔

نہ جانے کب وہ غنودگی کی کیفیت میں چلی گئی تھی۔

اچانک آہٹ سی ہوئی اور وہ چونک اٹھی تھی۔ وہ عورت خاموشی سے اندر آئی تھی کہ اسے معلوم بھی نہیں ہوا تھا اور وہ جس حلیے میں تھی اسے دیکھ کر آمنہ کی آنکھیں جھک گئی تھیں۔ ناکافی لباس اسے چھپانے کے بجائے عیاں کررہا تھا لیکن اسے کوئی فکر نہیں تھی۔ اس کے ساتھ جامی کو نہ پاکر آمنہ نے سکون کا سانس لیا تھا۔ وہ عورت اس کے تاثرات بھانپ گئی تھی۔ اس لیے بے حیائی سے ہنسی۔

"اس کی فکر مت کرو۔ اس کی بھوک مٹا آئی ہوں۔ اب اسے خاصی دیر تک تیرا خیال نہیں آئے گا۔"

آمنہ کو اس عورت سے سخت نفرت محسوس ہورہی تھی جس کے صرف اطوار ہی بازاری نہیں تھے وہ خود بھی بازاری ہی تھی۔ اس نے منہ پھیرلیا تو وہ عورت زہریلے انداز میں ہنسی "تمہیں مجھ سے نفرت محسوس ہورہی ہے نا۔ یہ سوچے بغیر کہ مجھے اس حال تک پہنچانے والوں میں تمہارا خاندان بھی شامل ہے۔ پتا ہے میں کون ہوں۔ میں اس غریب شخص کے پوتے کی پوتی ہوں۔ جو کبھی اپنے بیوی بچوں کے ساتھ اس حویلی کے پاس رہتا تھا پھر تمہارے لالچی پرکھوں نے اس کی جھونپڑی ہتھیانے کے لیے اس میں آگ لگادی۔ سب جل کر مرگئے سوائے ایک لڑکے کے جو اتفاق سے کہیں گیا ہوا تھا۔ اسے معلوم ہوا تو وہ اپنی جان بچانے کے لیے علاقے سے ہی چلا گیا۔ اس کا نام پرنام لال تھا۔"

"تم.... تم ہندو ہو؟" آمنہ چونکی۔

اس نے اثبات میں سرہلایا "ہاں میں ہندو ہوں' پرنام لال کے گلے میں ایک تعویذ تھا جو اس کے باپ نے اس کے گلے میں ڈالا تھا۔ اس تاکید کے ساتھ کہ جب تم طاقت ور ہوجاؤ تو اسے کھول کر دیکھ لینا لیکن پرنام لال زندگی بھر مفلس رہا اور یہی مفلسی اس کی اولاد کا مقدر بنی تھی۔ تعویذ مختلف لوگوں سے منتقل ہوتا بالآخر میرے پاس آیا۔ میں پرنام لال کی اولادوں میں واحد زندہ اولاد ہوں۔ مجھ پر آکر یہ خاندان ختم

ہوگیا اور جب میں نے یہ تعویذ کھولا اور اس میں سے نکلنے والی پرچی پڑھ کر عہد کیا کہ جس طرح میرا خاندان ختم ہوگیا ہے اسی طرح میں تمہارے خاندان کو بھی ختم کردوں گی۔ افسوس کہ یہاں آکر مجھے معلوم ہوا کہ تمہارا خاندان بہت پھیل گیا ہے۔ میں سب کو تو نہیں ختم کرسکتی لیکن اس حویلی اور جاگیر کے مالکوں کو ضرور ختم کرسکتی ہوں۔"

"تمہیں اس کا فائدہ کیا ہوگا۔" آمنہ کی سمجھ میں ساری صورتِ حال آہستہ آہستہ آرہی تھی۔

"اب اس جاگیر کا وارث میرا بچہ ہوگا۔" اس نے فخر سے اپنے پیٹ پر ہاتھ پھیرا۔

"وہ کیسے؟"

"وہ ایسے کہ یہ بچہ اس خاندان کا ہی ہے۔"

"یہ بچہ کس کا ہوگا؟"

"میں نے کہا نا کہ وہ تمہارے ہی خاندان کا ایک فرد ہے لیکن افسوس کہ وہ اپنے بچے کو دیکھنے کے لیے زیادہ نہیں رہے گا۔ وہ بھی میرے انتقام کا نشانہ بنے گا۔"

"یہ جامی کون ہے؟" اب آمنہ سب جاننے پر تل گئی تھی۔

"میرا جاننے والا ہے۔" وہ بے حیائی سے بولی "مجھ سے اس دنیا میں کوئی سچا پیار کرتا ہے تو وہ یہی شخص ہے۔ بعد میں اس کو میں اپنا جیون ساتھی بناؤں گی۔"

"مجھے تمہارا چہرہ جانا پہچانا لگ رہا ہے۔" آمنہ نے بغور اسے دیکھا۔

"تم مجھے پہلے بھی دیکھ چکی ہو۔" اس نے مسکرا کر اپنے سر سے لمبے بال اتار دیے۔ یہ سیاہ بالوں کی وگ تھی اس کے مختصر بال تھے۔ اس کے گلے میں سرخ پتھروں والا ایک ہار تھا۔ جس کی ایک لڑی گریبان سے نیچے جارہی تھی۔

اس نے تازہ میک اپ کیا تھا۔ سرخ لہو جیسی لپ اسٹک اور اسی رنگ کی نیل پالش تھی۔ آمنہ چونکی "تم تو وہی عورت ہو نا جو منور چچا کی مہمان بن کر آئی تھی۔ تمہارے ساتھ ایک آدمی بھی تھا۔"

"ہاں، وہ بھی یہیں ہے۔" وہ عورت مسکرائی "صبح تک یہیں تھا پر ہم نے اسے دوسرے کمرے میں منتقل کردیا۔ اب وہ وہاں آرام کررہا ہے۔"

"تم نے اسے بھی قیدی بنا رکھا ہے۔" آمنہ تیزی سے بولی "ویسے یہ جگہ کہاں ہے؟"

"تجھے نہیں معلوم۔" عورت نے حیرت سے اسے دیکھا "اب تک تجھے سمجھ جانا تھا۔ تو اپنی حویلی میں ہی ہے بلکہ اس کے نیچے تہ خانے میں ہے۔"

آمنہ کے لیے یہ انکشاف تھا کہ وہ حویلی کے تہ خانے میں ہے جہاں تک اسے معلوم تھا۔ حویلی میں ایک معمولی سا تہ خانہ تھا جس پر کاٹھ کباڑ بھرا ہوا تھا اور حویلی کے ملازمین ہر فالتو چیز اس میں ڈال جایا کرتے تھے۔ وہ یہ تہ خانہ نہیں تھا پھر یہ سوچ کر کہ وہ اپنے پیاروں کے کتنے نزدیک تھی اور وہ اس سے بے خبر تھے۔ وہ تڑپ گئی تھی۔ عورت جو اس کے تاثرات دیکھ رہی تھی بولی "اس درخت سے یہاں تک ایک سرنگ ہے۔ جس سے گزر کر ہم باہر جاتے اور آتے ہیں۔ حویلی میں آنے جانے کا راستہ بھی ہے لیکن ہم اسے استعمال نہیں کرتے۔"

"لیکن اس درخت میں تو اتنا چھوٹا سا سوراخ ہے۔ اس میں سے کوئی آدمی نہیں گزر سکتا۔"

"وہ صرف چھوٹا نظر آتا ہے ورنہ اس کا منہ اوپر کی طرف ہے۔ ہم بہ آسانی اس میں سے گزر جاتے ہیں۔ تم بھی تو اس سے گزر کر لائی گئی تھیں۔ اگر تم ہوش میں ہوتیں تو ضرور دیکھتیں۔"

اچانک ایک ہولناک خیال آمنہ کے ذہن میں آیا کہ عمران کے قتل میں بھی یہی لوگ ملوث تھے۔ عورت خود اعتراف کرچکی تھی کہ اس کے خاندان کو پیش آنے والے سانحات کے پسِ پشت اس عورت کا انتقام ہی تھا۔ اسے اس عورت سے شدید نفرت محسوس ہورہی تھی۔ اگر اس کے ہاتھ پیر کھلے ہوتے تو شاید وہ اس کا گلا دبانے سے بھی نہیں چوکتی۔ اس نے اپنے تاثرات چھپا کر عورت سے پوچھا "تم لوگوں نے یہ سُرنگ دریافت کیسے کی؟"

"دریافت نہیں کی۔ ہم نے یہ سرنگ بنائی تھی۔ درخت کے کھوکھلے تنے کو ہم پہلے ہی دیکھ چکے تھے۔ اس راستے کو بنانے کا مقصد حویلی کے تہ خانے میں آزادانہ آمدورفت رکھنا تھا۔"

"لیکن اس کا فائدہ؟" آمنہ نے کہا۔

عورت کی مسکراہٹ زہریلی ہوگئی تھی "فائدہ تو ہمارے سامنے ہے۔ میں تمہارے خاندان کے اکثر افراد کو موت کے گھاٹ اتار چکی ہوں۔ ان کی ناک تلے رہ کر میں نے یہ سب کیا ہے اور کسی نے میرا سایہ تک نہیں دیکھا۔ جب میں اور جامی باہر جاتے ہیں تو حلیہ بدل لیتے ہیں۔ لوگ ہمیں اس درخت پر بسیرا کرنے والی بدروحیں سمجھتے ہیں اور مارے خوف کے اس کے قریب نہیں آتے۔"

"تمہیں مجھے یہ سب بتاتے ہوئے خوف نہیں آتا۔" آمنہ نے پوچھا تو عورت قہقہے لگانے لگی۔

"اب تو اتنی بھولی بھی نہیں ہے کہ اس بات کا مطلب نہ سمجھ سکے۔ تجھے زندہ رہنا نصیب ہوگا تو تو ہمارے لیے خطرہ بنے گی۔ میں تو تجھے بے ہوشی میں مار ڈالتی لیکن کیا کروں جامی ضد کرنے لگا تھا۔ میں نے سوچا اس کی خواہش بھی پوری ہو جائے گی اور میرا کام بھی ہو جائے گا۔"

آمنہ پھر خوف زدہ ہونے لگی تھی۔ اسے معلوم تھا کہ وہ بے بس ہے اور کمزور ہے۔ یہ اس کے ساتھ کچھ بھی کر سکتے تھے۔ اس نے ہمت کر کے کہا "اسد کتنا ہی لالچی اور کمینہ سہی لیکن وہ اتنا بے غیرت نہیں ہو سکتا کہ اپنے خاندان کی عورت کی بے آبروئی برداشت کرے۔"

"نہ کرے۔" عورت نے بے پروائی سے کہا "ہمیں اس کی پروا بھی نہیں ہے۔ آخر اس کا نمبر بھی تو آئے گا۔"

یہ کہہ کر عورت جانے لگی تھی پھر رکی اور آمنہ سے پوچھا "تمہیں کسی چیز کی ضرورت ہو تو مجھے بتا دو۔"

اس لمحے اس کے اندر شدت سے پانی کی خواہش جاگی تھی لیکن وہ اس عورت کے ہاتھ سے پانی نہیں پینا چاہتی تھی جو اس کے پیاروں کے خون سے رنگے ہوئے تھے۔ اس نے خود پر جبر کر کے نفی میں سر ہلا دیا۔ عورت چلی گئی۔ اس کا دل ڈوبنے لگا تھا۔ اس کا اسد کے بارے میں اندازہ درست نکلا تھا۔ وہ لالچ میں آکر اور اس عورت کے جال میں پھنس کر اس درخت کی شاخیں کاٹ رہا تھا جس پر اس کا آشیانہ تھا۔ وہ اپنے ہی خاندان کو تباہ کر رہا تھا۔ اسد کی تمام تر سخت گیری کے باوجود وہ اسے ہمیشہ ایک اچھا انسان سمجھتی رہی تھی اور ان دنوں تو وہ واقعی اچھا آدمی لگنے لگا تھا لیکن اب معلوم ہوا کہ یہ سب دھوکا تھا۔ اس نے اپنے اصل روپ پر نقاب چڑھالی تھی تاکہ دنیا اسے دیکھ نہ سکے۔ اسی لمحے دروازے پر آہٹ ہوئی۔ آمنہ نے چونک کر دیکھا پھر وہ لرز اٹھی۔ یہ جامی تھا جو ہونٹوں پر ایک مکروہ مسکراہٹ لیے اندر آیا تھا۔ وہ اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔

"میرے ... میرے قریب مت آنا۔" آمنہ نے لرز کر کہا۔

"صرف ایک بار میری چڑیا صرف ایک بار۔" وہ بولا "پھر تو نے تو مٹی میں مل جانا ہے۔"

بے اختیار آمنہ چلانے لگی تھی۔ وہ مدد کے لیے پکار رہی تھی۔ اسے چلاتے دیکھ کر جامی نے قہقہہ لگایا تھا۔

○☆○

احمر، شینا اور ارشد مایوس بیٹھے تھے۔ حویلی کا پہرا سخت کر دیا گیا تھا اور ان کے باہر جانے کا کوئی امکان نہیں تھا۔ احمر اور شینا باتیں کر رہے تھے۔ ارشد کچھ سوچ رہا تھا۔ رات کے نو بج چکے تھے۔ اچانک شینا نے دیکھا کہ ارشد غائب تھا۔۔۔ "ارے ارشد کہاں گیا ہے؟"

"شاید اسد چچا کے پاس گیا ہوگا۔" احمر نے کہا۔

درحقیقت ارشد حویلی سے باہر جانے کی فکر میں تھا۔ اسے معلوم تھا کہ حویلی میں ایک دروازہ تھا جس پر تالا لگا رہتا تھا۔ اس کی چابی دادا کے کمرے میں ہوتی تھی۔ وہ چپکے سے دادا کے کمرے میں گیا۔ اتفاق سے وہاں کوئی نہیں تھا۔ اس نے جلدی سے میز پر سے چابیوں کا گچھا اٹھایا۔ اس میں ہی شمالی دروازے کے تالے کی چابی تھی۔ وہ چابیاں مٹھی میں دبائے شمالی دروازے تک آیا۔ اس کی قسمت کہ کسی پہرے دار کی نظر اس پر نہیں پڑی تھی۔ رات ویسے بھی خاصی تاریک تھی۔ اس نے جلدی سے تالے کی چابی تلاش کر لی۔ تالا کھولا اور باہر آگیا۔ دروازہ اس نے بھیڑ دیا تھا۔ باہر غضب کی سردی تھی اور وہ سوئٹر میں بھی کانپ رہا تھا۔ دیوار کے ساتھ ساتھ چلتا وہ ویران میدان تک آیا جہاں زندگی کی دو علامتیں کھڑی تھیں۔ ایک سمر ہاؤس اور دوسرا ٹنڈ منڈ درخت۔ وہ درخت کی طرف جانے لگا۔ اس کے ننھے سے ذہن کو یقین تھا کہ اسے یہاں سے ماں کے بارے میں کچھ نہ کچھ معلوم ہو جائے گا۔ رات کی تاریکی اور سناٹے سے اسے ڈر لگ رہا تھا۔ کبھی کبھی اس کے منہ سے سسکی نکل جاتی لیکن ماں کی کشش اسے کھینچے لیے جا رہی تھی۔ درخت کے پاس آکر اس نے جیب سے چھوٹی سی ٹارچ نکالی۔ یہ ٹارچ اسے آمنہ نے گفٹ کی تھی۔ اس نے ٹارچ جلا کر درخت کے ارد گرد دیکھا پھر روشنی اوپر ڈالنے لگا لیکن وہاں کچھ ہوتا تو نظر آتا۔ اچانک اسے ایک کرخت آواز سنائی دی "اے کون اے، سامنے آؤ ورنہ ام گولی مار دے گا۔" یہ آواز سمر ہاؤس کی طرف سے آئی تھی۔ ارشد آواز سن کر گھبرا گیا تھا۔ پہلے وہ درخت کے تنے کے ساتھ چپک گیا۔ قدموں کی آواز اسی طرف سے آرہی تھی۔ یہ حویلی کے پہریداروں میں سے ایک تھا لیکن ارشد سمجھا کہ یہ وہی ہے جس نے اس کی ماں کو پکڑا تھا اور اب اسے پکڑنے آرہا تھا۔ وہ اس سے بچنے کے لیے پناہ تلاش کرنے لگا۔ اچانک اس کا ہاتھ تنے کے سوراخ میں چلا گیا۔ اس اثنا میں پہریدار بہت نزدیک آچکا تھا۔ ارشد سوراخ میں رینگ کر چلا گیا۔ بظاہر چھوٹا نظر آنے والا یہ سوراخ اندر سے کشادہ تھا۔ تنا بالکل ہی کھوکھلا تھا۔ ارشد اس میں سکڑ سمٹ کر بیٹھ گیا۔ قدموں کی چاپ قریب آگئی۔ "ادھر ۔۔ تو کوئی نہیں اے۔" کسی نے حیرت اور خوف سے کہا "پر

ام نے خود روشنی دیکھا تھا۔"

ارشد نے سانس تک روک لی تھی۔ پہریدار خوف زدہ ہو کر چلا گیا تھا۔ ارشد نے ہلنے کی کوشش کی تو اچانک ہی وہ تاریک خلا میں گرتا چلا گیا۔ اس کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی تھی۔ وہ چھ سات فٹ کی اونچائی سے گرا تھا لیکن اسے چوٹ نہیں لگی تھی۔ نیچے نرم مٹی تھی۔ وہاں بے حد تاریکی تھی۔ خوش قسمتی سے ٹارچ ارشد کی جیب میں ہی تھی۔ اس نے ٹارچ جلا کر دیکھا۔ وہ ایک نیم تاریک سرنگ میں کھڑا تھا۔ جس کی اونچائی چار فٹ سے زیادہ نہیں تھی۔ اس نے بے بسی سے اوپر کے سوراخ کی طرف دیکھا جو اس سے چھ فٹ سے زیادہ اوپر تھا۔ وہ اس جگہ پھنس گیا تھا اور نکل بھی نہیں سکتا تھا۔ اس کے خوف میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ نکلنے کی کوئی راہ نہ پا کر اس نے سرنگ کے دوسری طرف چلنا شروع کر دیا۔ سرنگ تقریباً تیس گز لمبی تھی پھر یہ ایک کچے کمرے میں جا نکلی جس کے دوسری طرف ایک اور راستہ نظر آ رہا تھا لیکن یہ پختہ راستہ تھا۔ ارشد ڈرتے ڈرتے اندر گیا تھا کہ اسے ماں کے چلّانے کی آواز آئی۔ وہ بے اختیار اس طرف دوڑا۔ کچھ دیر بعد وہ اس کمرے کے سامنے تھا جہاں آمنہ موجود تھی۔ ارشد بے دھڑک اندر گھس گیا۔ ایک بھیانک صورت شخص نے اس کی ماں کے بال پکڑ رکھے تھے اور وہ چلانے کے ساتھ سر بھی پٹخ رہی تھی۔ اچانک وہ ساکت ہو گئی۔ اس کی نظر ارشد پر پڑ گئی تھی۔ اس کے تاثرات سے جامی بھی چونکا اور اس نے مڑ کر دیکھا تو دم بہ خود رہ گیا۔ یہ چھوٹا سا بچہ تھا جو نہ جانے کہاں سے آ گیا تھا۔ اچانک ارشد دوڑا اور اس سے لپٹ کر اپنے دانت اس کے ہاتھ پر گاڑھ دیے۔ جامی مدافعت بھی نہ کر سکا تھا۔ اس نے بلبلا کر اسے گالی دی اور ہاتھ چھڑانے کی کوشش کی لیکن ارشد کی گرفت بے حد مضبوط تھی۔ دانت کچکچا کر اس نے الٹے ہاتھ سے اسے تھپڑ مارا' وہ دور جا گرا تھا۔ جامی کے ہاتھ سے خون بہہ رہا تھا۔ ارشد دیوار سے ٹکرا کر وہیں ساکت ہو گیا تھا۔ آمنہ چلا چلا کر اسے آوازیں دے رہی تھی۔ غضب ناک جامی نے کہا۔

"اچھا کتیا تو یہ تیرا پلا ہے۔ تیرے سامنے اس کی ٹانگیں چیر دوں گا۔" وہ اس کی طرف بڑھا تو آمنہ گڑگڑانے لگی "خدا کے لیے میرے بچے کو کچھ نہ کہو۔"

وہ رک گیا۔ اس کے ہونٹوں پر معنی خیز مسکراہٹ آ گئی تھی۔ "اگر تو میری خواہش پوری کر دے تو میں اسے کچھ نہیں کہوں گا۔"

"خدا کے لیے ہم نے تمہارا کیا بگاڑا ہے۔" آمنہ روہانسی ہو رہی تھی۔

"ہمارا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔" وہ متکبر لہجے میں بولا۔ "ہم خود دوسروں کو بگاڑتے رہتے ہیں۔ افسوس کہ نینا کو بڑی جلدی ہے ورنہ میں جی بھر کر..."

"بکواس مت کر کتے۔ تو مجھے ہاتھ بھی نہیں لگا سکتا۔" آمنہ غضب ناک ہونے لگی "آخر وہ خان زادی تھی۔" "مجھے کھول کر دیکھ نامرد میں تجھے بتاؤں گی۔"

"تجھے کھولنا تو پڑے گا۔" وہ اس کی طرف بڑھا ہی تھا کہ دروازے پر آہٹ ہوئی۔ یہ نینا تھی۔ ارشد پر نظر پڑتے ہی اس کی آنکھیں پھیل گئی تھیں "یہ کون ہے اور کہاں سے آیا ہے؟"

"اس کا بچہ ہے۔" جامی نے آمنہ کی طرف اشارہ کیا۔ "پتا نہیں کیسے اندر آ گیا۔"

"اور تجھے اپنی مستی میں خیال بھی نہیں آیا کہ یہ کیسے اندر آ گیا۔" نینا کا لہجہ زہریلا ہو گیا۔ تو جامی کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگی تھیں "یہ تو میں نے سوچا ہی نہیں۔"

"تو ہے نا گدھا' سوچنے کے لیے تیرے پاس دماغ ہی کہاں ہے۔" نینا کہتی ہوئی ارشد کے پاس بیٹھ گئی۔ وہ بے ہوش نہیں تھا لیکن جامی کے تھپڑ اور پھر دیوار سے ٹکرانے کی وجہ سے وہ بے سدھ ہو رہا تھا۔ نینا ہولے ہولے اسے تھپڑ لگانے لگی "لڑکے اٹھ' اٹھ جاورنہ تیری ماں کو مار ڈالیں گے۔" اس نے صحیح حربہ استعال کیا تھا "اس جملے نے ارشد کے حواس جھنجوڑ دیے تھے۔ وہ جلدی سے اٹھ بیٹھا۔ میری امی کو مت مارو۔" اس نے التجا کی۔

"نہیں ماریں گے اگر تو بتا دے کہ تو اندر کیسے آیا۔"

ارشد سسکیاں لیتے ہوئے اسے بتانے لگا کہ وہ کیسے اندر آیا تھا۔ نینا اور جامی نے یہ سوچ کر اطمینان کا سانس لیا تھا کہ لڑکا اکیلا ہی آیا تھا اور کسی کو اس کے بارے میں معلوم نہیں۔" جامی ہنسنے لگا "چلو ایک اور شکار خود پھندے میں آ گیا۔"

آمنہ کانپ گئی "خدا کے لیے میرے بچوں کو کچھ مت کہو۔"

اسی لمحے باہر سے ایک آواز آئی "کہاں مر گئے ہو تم لوگ۔"

وہ چونکے لیکن آمنہ کی تو آنکھیں پھیل گئی تھیں۔ وہ آواز پہچان گئی تھی اور جب وہ چہرہ سامنے آیا تو شک کی کوئی گنجائش نہیں رہی تھی۔ یہ منور خان تھا جو خاموشی سے ان

سب کو دیکھ رہا تھا۔ بالآخر اس نے کہا۔
"نینا یہ سب کیا ہے؟"
"کچھ نہیں منور خان۔" نینا نے سکون سے کہا "یہ لوگ خود ہی یہاں تک چلے آئے تھے۔ اس عورت نے تتنے کے سوراخ کا راز پالیا تھا اس لیے اسے یہاں لانا پڑا اور یہ بچہ بھی اس کے پیچھے یہاں پہنچ گیا۔"
منور خان کا لہجہ سخت ہو گیا "میں نے تم لوگوں سے کہا تھا کہ تتنے والے راستے کا زیادہ استعمال نہیں کرنا۔ لوگوں کو شک ہو جائے گا اور ایسا ہی ہوا نا۔"
نینا نے منور خان کے غصے کا کوئی اثر نہیں لیا تھا۔ وہ مسکرانے لگی۔ "منور خان، بے شک یہ لوگ اندر آ گئے لیکن کیا اس سے ہمارا کام آسان نہیں ہو گیا ہے؟"
"منور چچا آپ......" آمنہ کی آواز لرز رہی تھی۔
منور خان کی سرد نگاہیں اسے دیکھ رہی تھیں۔

○☆○

ارشد کے غائب ہونے کا علم دس منٹ بعد ہی ہو گیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی حویلی میں کھلبلی مچ گئی تھی۔ اسے تلاش کیا جانے لگا مگر پوری حویلی میں کہیں اس کا نشان نہیں ملا۔ جلد معلوم ہو گیا کہ صنوبر خان کے کمرے سے چابیوں کا گچھا غائب تھا اور حویلی کا شمالی دروازہ کھلا پایا گیا تھا۔ شینا نے ان لوگوں کو بتایا کہ ارشد ماں کی تلاش میں باہر جانے کو کہہ رہا تھا۔ اب تلاش کا دائرہ حویلی کے باہر تک پھیل گیا تھا۔ سمر ہاؤس کے ایک چوکیدار نے اسد کو بتایا کہ اس نے پُراسرار درخت کی طرف ایک روشنی سی دیکھی تھی۔ یہ باریک سی روشنی تھی۔ شینا اور احمر اسد کے ساتھ ہی تھے۔
شینا بے چینی سے بولی "ارشد کے پاس ایک چھوٹی سی ٹارچ تھی۔"
"اس کا مطلب ہے وہ یہیں آیا تھا۔" اسد نے کہا۔
مگر چوکیدار نے کہا "خدا کا قسم صاب ام نے اور کسی کو نئیں دیکھا اور چڑیا کا بچہ بھی نہیں تھا۔"
اسد کی نظریں درخت پر جم کر رہ گئی تھیں۔ یہ ان کے گھر کے لیے ایک خوف ناک چیز بنتا جا رہا تھا جو اس کے پاس جاتا مارا جاتا یا غائب ہو جاتا۔ میں اس فساد کی جڑ کو ہی ختم کر دوں گا۔" اس نے سوچا دیگر افراد اتنی دیر میں اطراف میں ارشد کی تلاش شروع کر چکے تھے لیکن کچھ دیر میں واضح ہو گیا تھا کہ وہ کم از کم جاگیر کے علاقے میں نہیں تھا۔ اسد حویلی میں آیا تو صنوبر اور ایوب کے ساتھ منور بھی اس کا منتظر تھا۔

"ارشد کا معلوم ہوا؟" صنوبر نے بے تابی سے پوچھا۔
"نہیں چچا۔" اسد نے تھکے ہوئے انداز میں کہا "نہ جانے یہ سب کیا ہو رہا ہے۔ پہلے آمنہ اس درخت کے پاس سے غائب ہوئی پھر ارشد۔ چوکیدار نے وہاں کسی کو دیکھا تھا اسے روشنی بھی نظر آئی تھی۔"
"یہ درخت آسیب زدہ ہے۔" منور خان نے سنجیدگی سے کہا "ہمیں چاہیے تھا کہ اس سے دور ہی رہتے۔"
"چچا یہ سب خیالی باتیں ہیں۔" اسد نے کہا "ان سارے واقعات کے پیچھے کسی انسان کا ہی ہاتھ ہے اور میں اس تک پہنچ کر ہی رہوں گا۔"
منور خان اسے پُرخیال نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ "میرا خیال ہے ایک بار سمر ہاؤس کا جائزہ بھی لینا چاہیے۔"
"اوہ۔" اسد اچھل پڑا "یہ خیال تو مجھے آیا ہی نہیں تھا۔ میں ابھی جا کر چیک کرتا ہوں۔"
اس نے صنوبر سے سمر ہاؤس کی چابیاں لیں اور تیزی سے باہر نکل گیا۔ باہر ہوا رک گئی تھی اور آسمان پر گہرے رنگ کے بادل جمع ہو رہے تھے۔ شاید برف باری کا آغاز ہونے ہی والا تھا۔ وہ تیزی سے سمر ہاؤس کی طرف بڑھا۔ اس وقت وہاں سناٹا تھا۔ تمام ہی محافظ اردگرد ارشد کو تلاش کرنے میں مصروف تھے یا پھر حویلی میں سمٹ آئے تھے۔ اب اس طرف کوئی نہیں تھا۔ اس نے مرکزی دروازے کے تالے میں چابی گھمائی مگر تالا پہلے ہی کھلا ہوا تھا۔ اچانک اسد کو خطرے کا احساس ہوا۔ اس نے اپنا ریوالور نکالا اور محتاط انداز میں اندر داخل ہوا۔ پہلے کمرے میں تاریکی تھی۔ اس نے روشنی کی اور پھر یکے بعد دیگرے تمام کمروں میں روشنی کرتا چلا گیا۔ ماسٹر بیڈ روم میں آ کر اس نے روشنی کی ہی تھی کہ اچھل پڑا۔ اس کے سامنے کرسی پر ایک شخص بندھا بیٹھا تھا۔ اس کے منہ پر کپڑا بندھا ہوا تھا اور وہ بڑی تیزی سے آنکھوں اور سر سے کچھ اشارے کر رہا تھا۔ اسد کی سمجھ میں جب اس کے اشارے آئے تو دیر ہو چکی تھی۔ اس کے سر پر شدید قسم کی چوٹ لگی اور وہ منہ کے بل زمین پر جا گرا تھا۔
جامی نے مسکرا کر کرسی پر بندھے شخص کی طرف دیکھا۔ "چلو یہ مرغا بھی آ گیا۔ اب میں تم لوگوں کی چتا تیار کرتا ہوں۔"
جامی کے ساتھ نینا بھی تھی۔ انہوں نے جلدی..... سے مٹی کا تیل دیوار اور فرنیچر پر چھڑکنا شروع کر دیا۔ کرسی پر بندھے شخص کی آنکھیں دہشت سے پھیل گئی تھیں۔ وہ مسلسل نفی میں سر ہلا رہا تھا۔ نینا نے اس سے کہا۔

"اب کچھ نہیں ہو سکتا فرید۔ اگر تم پہلے ہماری بات مان لیتے تو آج یوں زندہ نہ جلتے۔" یہ کہتے ہوئے اس نے کچھ تیل اس شخص پر بھی چھڑک دیا۔ اب وہ ناک سے عجیب سی آوازیں نکال رہا تھا۔ یہ شخص پہلے نینا کے ساتھ تھا پھر اس سے منحرف ہو گیا۔ وہ قتل و غارت گری پر مبنی اس منصوبے کا ایک حصہ بننے کو تیار نہیں تھا۔ نتیجے میں نینا اس سے بھی چھٹکارا پانے کو تیار تھی۔ اپنے انتقام اور اس وسیع جاگیر کے لیے وہ اتنی پاگل ہو رہی تھی کہ بے دریغ انسانی خون سے ہاتھ رنگ رہی تھی۔

"نینا اب نکل چلو۔" جامی نے ایک موم بتی زمین پر رکھی جو تیل سے تر ہو رہی تھی۔ موم بتی بہت چھوٹی تھی اور بہ مشکل پانچ چھ منٹ میں اس کا شعلہ فرش تک رسائی حاصل کر لیتا اور آگ لگ جاتی۔ موم بتی جلا کر انہوں نے روشنیاں بجھائیں اور باہر نکل گئے۔ کمرا اب نیم تاریک تھا اور موم بتی کی روشنی لرز رہی تھی۔ وہ شخص بُری طرح مچل رہا تھا لیکن اسے کس کر باندھا گیا تھا۔ اسد فرش پر بے سدھ پڑا تھا۔ موم بتی آہستگی سے پگھل رہی تھی۔

○☆○

آمنہ مسلسل کوشش کر رہی تھی۔ اگرچہ اس کی نازک کلائیاں چھل گئی تھیں۔ ان سے خون رسنے لگا تھا اور درد اسے بے تاب کر رہا تھا مگر اس نے رسی اس قدر ڈھیلی کر لی تھی کہ اب وہ اپنا ہاتھ پیچھے کھینچ رہی تھی۔ آخر اس نے ایک ہاتھ رسی اور کرسی کے ہتھے کی گرفت سے نکال لیا لیکن اتنی دیر بندھے رہنے سے ہاتھ بے جان ہو رہا تھا۔ اس نے ہاتھ جھٹک کر خون کی روانی بحال کرنے کی کوشش کی۔ پیاس سے اس کا بُرا حال تھا لیکن اسے صرف ارشد کی فکر تھی جو ایک کونے میں بندھا پڑا تھا۔ دس پندرہ منٹ بعد اس کا ہاتھ کسی قدر حرکت کرنے لگا تو اس نے دوسرے ہاتھ کی رسی کھولنے کی کوشش شروع کر دی۔ تقریباً نصف گھنٹے کی مسلسل جدوجہد کے بعد وہ ہاتھ آزاد کرانے میں کامیاب رہی تھی۔ منور خان، نینا اور جامی کے جانے کے بعد سے وہ خود کو آزاد کرانے کی کوشش کر رہی تھی۔ اسے نہیں معلوم تھا کہ وہ کہاں تھے اور کب آ جائیں گے۔ اس کے ذہن میں ایک ہی بات تھی کہ کسی طرح ارشد کو یہاں سے نکال دے۔

خود کو آزاد کرا کے وہ ارشد کی طرف بڑھی۔ اسے کھول کر اس کے منہ سے ٹیپ ہٹایا تو وہ "امی" کہہ کر اس سے لپٹ گیا تھا۔ آمنہ اسے پیار کرنے لگی۔ ارشد رو رہا تھا "امی یہ لوگ ہمیں مار دیں گے۔"

"نہیں میرے بچے، میرے ہوتے کوئی تجھے ہاتھ نہیں لگا سکتا۔" اس نے ارشد کا ماتھا چوما "تمہیں یاد ہے کہ تم کہاں سے آئے تھے۔"

"ہاں۔" ارشد نے سر ہلایا۔

"تو تم وہیں سے واپس جاؤ اور جا کر اسد انکل کو بتاؤ کہ ہم حویلی کے نیچے تہ خانے میں قید ہیں اور اس کا ایک راستہ درخت سے نکلتا ہے۔ اب اس طرف چلو جہاں سے تم آئے تھے۔"

آمنہ نے دیکھ لیا تھا کہ دروازہ کھلا تھا۔ وہ لوگ مطمئن تھے کہ وہ دونوں بندھے ہوئے ہیں اور ان کے رہا ہونے کا کوئی امکان نہیں ہے۔ باہر ایک ہال نما کمرا تھا جس میں سرنگ نکل رہی تھی جس سے ارشد اندر آیا تھا۔ وہ آمنہ کو کچی سرنگ تک لے گیا۔ آمنہ کا خیال تھا کہ وہ اس سے نہیں نکل سکے گی اسی وجہ سے اس نے ارشد کو نکالنے کا فیصلہ کیا تھا۔ اس کا اندازہ درست تھا۔ اپنے پانچ فٹ تین انچ کے قد کے ساتھ وہ اس راستے کے اوپر والے حصے تک نہیں پہنچ سکتی تھی۔ البتہ وہ ارشد کو اوپر کر سکتی تھی۔

"سنو ارشد، منور چچا کی نظروں سے بچنا۔ صرف اسد انکل یا دادا کے پاس جانا۔ کوئی بھی محافظ ملے، اسے لے کر سیدھے حویلی جانا ٹھیک ہے۔" اس نے کہا تو ارشد نے سر ہلا دیا۔ آمنہ نے اسے اٹھا کر اوپر کیا۔ ارشد نے ہاتھ جڑوں پر جما کر خود کو اوپر کھینچا۔ وہ سوراخ تک پہنچ گیا۔ اس نے پلٹ کر دیکھا "امی آپ بھی آ جائیں۔"

"میں نہیں آ سکتی، تم جاؤ اور جلدی سے مدد لے کر آؤ۔"

ارشد بھی دیکھ رہا تھا کہ ماں کا ہاتھ اوپر تک نہیں آ سکتا اور وہ اسے نہیں کھینچ سکتا تھا۔ مجبوراً وہ رینگ کر سوراخ سے نکل گیا۔ باہر تاریکی تھی۔ معاً اسے سرہاؤس کی طرف سے دو سائے تیزی سے درخت کے پاس آتے دکھائی دیے۔ وہ ایک لمحہ ضائع کیے بغیر حویلی کی طرف بھاگا۔ سائے اسے دیکھ کر ٹھٹکے، یہ نینا اور جامی تھے۔ نینا نے کہا۔

"ارے یہ کون تھا؟"

"پتا نہیں۔" جامی تشویش سے بولا "اندر چلو۔"

وہ تیزی سے سوراخ کے ذریعے اندر گھسے۔ چند لمحے بعد وہ اندر تھے۔ آمنہ والے کمرے میں پہنچتے ہی ٹھٹک گئے۔ آمنہ اور ارشد دونوں ہی غائب تھے۔

○☆○

اسد کو یوں لگ رہا تھا جیسے کوئی اسے آواز دے رہا

ہے۔ اسے بے پناہ گرمی لگ رہی تھی پھر خطرے کا احساس اسے تیزی سے ہوش میں لے آیا۔ چاروں طرف آگ بھڑک رہی تھی اور درمیانی کمرے میں کرسی پر بندھا شخص آگ کو اپنی طرف بڑھتے دیکھ رہا تھا۔ اسد کو ہوش میں آتے دیکھ کر وہ جلدی جلدی کہنے لگا "یہ سب منور خان کی سازش ہے۔ وہ اپنے خاندان کو ختم کرکے اکیلا جاگیر کا وارث بننا چاہتا ہے۔ اس کے ساتھ نینا نام کی ایک عورت اور جامی نامی ایک مرد ہے۔ قاتل یہی دونوں ہیں۔ وہ لوگ حویلی کے تہ خانے میں رہتے ہیں۔ جس میں آنے جانے کا راستہ درخت کے تنے میں ہے۔ تمہارے ...." ابھی اس نے اتنا ہی کہا تھا کہ آگ اس تک آپہنچی اور وہ چیخنے لگا مگر آگ نے آناً فاناً اسے لپیٹ میں لے لیا۔ اسد بے بسی سے اسے جلتے دیکھ رہا تھا۔ وہ اس کے لیے کچھ نہیں کرسکتا تھا۔ خود اس کی جان بھی خطرے میں تھی۔ اس نے چاروں طرف دیکھا۔ خوش قسمتی سے مکان میں کھڑکیاں ہی کھڑکیاں تھیں۔ اس نے دوڑ لگادی اور ہوا میں اڑتے ہوئے جلتی کھڑکی کے شیشے سے ٹکرایا اور توڑتے ہوئے باہر جاگرا تھا۔ خوش قسمتی سے سوائے معمولی خراشوں کے اسے کوئی زخم نہیں آیا تھا۔ اس کے ذہن میں طیش بھر رہا تھا۔ اس نے کھڑکی کی ایک جلتی لکڑی اٹھائی اور درخت کی طرف بڑھا۔ اسے معلوم تھا کہ درخت کی لکڑی بہت خشک ہے آسانی سے آگ پکڑلے گی۔ اس کے عقب میں سمرہاؤس بری طرح جل رہا تھا۔

اس نے درخت کے قریب جاکر جلتی لکڑی اس کے خشک تنے سے لگادی اور درخت میں یوں آگ بھڑکی جیسے اس پر کسی نے مٹی کا تیل چھڑکا ہو پھر ایک عجیب سی آواز آئی جیسے کسی نے سسکی لی ہو۔ ایک منٹ کے اندر درخت پوری طرح آگ کی لپیٹ میں آگیا تھا۔ اس کے جلنے سے ایسی آوازیں پیدا ہورہی تھیں جیسے کچھ لوگ چیخ چلا رہے ہوں۔ اسد گھبرا کر پیچھے ہٹ گیا تھا۔ اسی لمحے کوئی آکر اس سے لپٹ گیا تھا یہ ارشد تھا۔ وہ بری طرح رو رہا تھا۔ اسد نے اسے جھنجوڑ ڈالا۔

"ارشد... ارشد کہاں تھے تم؟"

"امی... امی' وہ درخت کے نیچے ہیں۔" اس نے کہا۔

"درخت کے نیچے کیسے؟" اسد بولا۔

"امی .... امی سوراخ میں ہیں۔ میں بھی یہیں سے نکلا ہوں۔" ارشد نے اسے بتایا۔

اسد منہ پھاڑے یہ سب سن رہا تھا۔ حویلی کے نیچے تہ خانہ' اس میں ایک عورت اور ایک مرد' قید آمنہ اور منور چچا۔ اسے یقین نہیں آرہا تھا۔ "یہ .... کیسے... بھلا کیسے ممکن ہے؟"

مگر اس کے ذہن نے کہا کہ یہ ممکن ہے اسی وجہ سے یہ درخت پُراسرار سرگرمیوں کا مرکز تھا۔ وہ لوگ تنے کے سوراخ سے نکلتے اور اسی میں غائب ہوجاتے تھے اور لوگ انہیں آسیب سمجھتے تھے۔ اسد کی یادداشت میں دھندلا سا تھا کہ اس نے بچپن میں حویلی میں ایک تہ خانہ دیکھا تھا لیکن پھر دادا نے اسے بند کروادیا تھا کیونکہ اس میں جاگیر کے قیدی رکھے جاتے تھے اور ان پر ظلم و تشدد ہوتا تھا۔ جب جاگیر زرین خان کے پاس آئی تو اس نے سب سے پہلا کام یہی کیا تھا۔ ایک عام کمرے کو چھوڑ کر باقی تہ خانہ اینٹوں سے چنوا کر بند کردیا گیا تھا۔ ہاں اس کا ایک خفیہ راستہ بھی تھا۔ جو مردانے کے ایک عقبی کمرے میں کھلتا تھا۔ یہ کمرا اب منور خان کے پاس تھا۔ گویا ارشد نے جو کہا' وہ سب حقیقت تھا۔ یہ منور خان ہی تھا جو اپنے خاندان کو رفتہ رفتہ موت کے گھاٹ اتار رہا تھا۔

اس نے ارشد کو لیا اور تیزی سے حویلی کی طرف بڑھا۔ اسے احساس تھا کہ آمنہ کی زندگی خطرے میں تھی اور وہ اپنے فرار کے راستے کو بند پاکر آمنہ کو نقصان پہنچا سکتے تھے۔ مسئلہ یہ تھا کہ اسے حویلی کے تہ خانے تک جانے والے راستے کو کھولنے کا طریقہ نہیں آتا تھا۔ یہ منور خان سے ہی معلوم ہوسکتا تھا۔ اندر جاتے ہوئے اس نے اپنا ریوالور چیک کرلیا تھا۔ وہ بالکل تیار حالت میں تھا۔ منور خان اسے بیٹھک میں ایوب خان اور صنوبر خان کے ساتھ ملا تھا۔ اسے دیکھتے ہی وہ بری طرح چونکا تھا پھر ارشد کو دیکھ کر اس کی آنکھیں پھیل گئی تھیں۔

"بہت حیران ہونا ہمیں زندہ اور آزاد دیکھ کر۔" اسد نے طنزیہ انداز میں منور خان سے کہا۔

"کیا بدتمیزی ہے اسد۔" صنوبر بگڑ گیا۔

اسد نے ریوالور نکال کر منور خان پر تان لیا "فوراً تہ خانے کا راستہ بتاؤ ورنہ کھوپڑی اڑادوں گا۔"

"اسد۔" ایوب چلایا "تیرا دماغ خراب ہوگیا ہے۔"

"آپ دونوں کچھ نہیں جانتے۔" اسد نے دانت پیس کر کہا "یہ شخص مارِ آستین ہے جو اپنے ہی لوگوں کو ڈس رہا ہے۔ بابا' احد' فرحت' انور چچا اور عمران کا قاتل یہی ہے۔ اسی نے آمنہ اور ارشد کو حویلی کے تہ خانے میں قید کررکھا تھا جس کا ایک راستہ ٹنڈ منڈ درخت سے نکلتا ہے۔ میں نے اس درخت کو آگ لگادی ہے۔ اب ہم صرف حویلی سے تہ

خانے میں جا سکتے ہیں جس کا راستہ اس شخص کو معلوم ہے۔"
"حویلی میں کوئی خفیہ راستہ نہیں ہے۔" منور خان نے فوراً انکار کردیا "یہ شخص بکواس کررہا ہے۔"
"بکواس نہ کر کمینے۔ ایسا نہ ہو کہ میں تجھے یہیں گولی مار دوں۔ راستہ تو ہم درخت سے بھی نکال لیں گے۔" اسد نے کہا تو منور خان کا چہرہ دُھواں ہوگیا۔ اس کی یہ کیفیت صنوبر اور ایوب سے چھپی نہیں رہی تھی اس لیے انہوں نے اسد کے انداز پر اسے کچھ نہیں کہا۔ وہ منور خان کو دیکھ رہے تھے۔ وہ پھنسی پھنسی آواز میں بولا "یہ بکواس کررہا ہے مجھے کچھ۔۔۔"

اسد نے اس کا جملہ مکمل ہونے سے پہلے ریوالور اس کے سر سے لگادیا تھا۔ "میں صرف تین تک گنوں گا ننگِ خاندان۔"

اس کے لہجے کی سفاکی محسوس کرکے منور خان کانپ گیا تھا۔ اس نے بے اختیار سر ہلایا "بتاتا ہوں۔"

صنوبر اور ایوب دم بہ خود رہ گئے تھے پھر وہ منور خان کے ساتھ اس کے کمرے تک پہنچے۔ اس کے ایک طرف کی دیوار سرخ اینٹوں کی بنی ہوئی تھی۔ منور خان نے لرزتے ہاتھوں سے چند اینٹوں پر بیک وقت دباؤ ڈالا تو دیوار کا ایک حصہ بے آواز سرک گیا۔ اس کے پیچھے مختصر خلا سے سیڑھیاں جھلک رہی تھیں۔ اسد نے ریوالور کے اشارے سے منور خان کو آگے چلنے کو کہا اور ارشد سے بولا "تم جاکر جابر کو بلا لاؤ۔"

جابر خان حویلی کے محافظوں کا انچارج تھا۔ منور خان بادلِ ناخواستہ سیڑھیاں اترنے لگا۔ اس کے چہرے پر زردی چھا رہی تھی۔ اسے اپنا انجام صاف نظر آرہا تھا۔ سیڑھیاں ایک راہداری میں ختم ہوئی تھیں۔ اسد کے پیچھے صنوبر اور ایوب دونوں تھے۔ اچانک ایک فائر ہوا اور ایوب چیخ مار کر گرا۔ اسد نے بے اختیار گولی چلائی مگر منور خان چھلانگ لگا کر ایک کمرے میں گھس گیا۔ گولی جامی نے چلائی تھی۔ وہ جان گئے تھے کہ درخت والا راستہ بند ہوگیا ہے۔ یعنی کوئی گڑبڑ ہے۔ وہ مسلح تھے۔ وہ دائیں طرف کے کمرے میں تھا جب کہ منور خان بائیں طرف کے کمرے میں تھا۔

منور خان نے چلا کر کہا "اسد ریوالور پھینک دے ورنہ میں آمنہ کو ماردوں گا۔"

"نہیں۔" صنوبر چلایا جو ایوب کو دیکھ رہا تھا گولی اس کے بازو پر لگی تھی "منور خان ایسا مت کرنا۔"

"میری جان جائے گی تو یہ بھی نہیں بچے گی۔ اسد سے لو ہتھیار پھینک دے۔"

"منور خان تم بچ نہیں سکتے اور بھاگ بھی نہیں سکتے۔ بہتر ہے سامنے آجاؤ۔ کچھ ہی دیر میں حویلی کے محافظ یہاں آجائیں گے۔ تم اور تمہارے یہ چیلے کتے کی موت مارے جائیں گے۔"

یہ سنتے ہی جامی کا حوصلہ جواب دے گیا۔ وہ بے اختیار کمرے سے نکل کر اندر ہال کی طرف دوڑا۔ مگر اسد نے اسے درمیان میں گولی ماردی۔ گولی سر میں لگی اور وہ فوراً ہی مر گیا۔ اب اسد کو آمنہ کی فکر تھی جسے منور خان نے یرغمال بنالیا تھا لیکن فوراً اسے احساس ہوا کہ یہ بلف تھا۔ آمنہ کی آواز نہیں آرہی تھی۔ وہ محتاط انداز میں آگے بڑھا۔ اسے معلوم تھا کہ ابھی ایک عورت اندر ہے۔ منور خان نہتا تھا اس لیے اس نے دروازہ اندر سے بند کرلیا تھا۔ اس نے دروازے کو جھٹکے سے کھولنا چاہا۔ اندر سے منور خان کا قہقہہ سنائی دیا۔

"اسد تم مجھے زندہ نہیں پا سکتے۔ دروازے سے دور رہو ورنہ میں گولی چلانے پر مجبور ہوجاؤں گا۔"

"اپنے ہاتھ سے ریوالور گرا دو۔" اچانک اسد کو دائیں طرف سے آواز آئی۔ ہال کے دروازے پر ایک عورت کھڑی تھی۔ اس کے ہاتھ میں دبے پستل کا رخ اسد کی طرف تھا

اور وہ گولی چلانے کے لیے بالکل تیار تھی۔ کوئی چارہ نہ پاکر اسد نے ریوالور پھینک دیا "خوب۔" اس نے کہا "اب تم مجھے اور منور خان کو اس حویلی سے باہر بہ حفاظت پہنچاؤ گے۔"

"شاباش نینا۔" اندر سے منور خان نے کہا "اسی لمحے اس نے نینا کے عقب میں ایک سایہ نمودار ہوتے دیکھا۔ یہ آمنہ تھی جو ارشد کو باہر نکالنے کے بعد کچی سرنگ کے ایک تاریک خلا میں دبک گئی تھی اور نینا اور جامی اسے تلاش نہیں کرسکے تھے۔ اب وہ عین موقع پر آئی تھی۔ آخری لمحے میں نینا کو خطرے کا احساس ہوا۔ اس نے مڑنا چاہا لیکن آمنہ اس کا ہاتھ قابو کرچکی تھی۔ وہ بلی کی طرح غرا کر آمنہ سے لپٹ گئی۔ اس کی کوشش تھی کہ پستل کا رخ آمنہ کے جسم کی طرف کردے۔ وہ اسے روکے رکھنے کے لیے پورا زور لگا رہی تھی۔ اسد ان کی طرف لپکا۔ اس نے پہلے نینا کا پستل والا ہاتھ پکڑا اور اسے جھٹکے سے موڑا۔ پستل اس کے ہاتھ سے نکل گیا اور اسد نے اسے ٹھوکر ماری لیکن اسی اثنا میں منور خان جو نہتا ہی تھا اس نے جھپٹ کر اسد کے گرے ریوالور پر قبضہ کرلیا۔

"بس اب کوئی حرکت نہ کرے۔" اس نے دانت پیس کر کہا "مجھے تیرا پتا پہلے ہی صاف کردینا چاہیے تھا۔ خیر اب سہی۔" اس نے ریوالور سیدھا کیا ہی تھا کہ فائر ہوا اور منور خان منہ کے بل سامنے گرا۔ اسے عقب سے صنوبر نے گولی ماری تھی جو ایوب کو اوپر لے گیا تھا اور پھر اپنا پستول لے کر نیچے آیا تھا۔ اسد اور آمنہ کو صحیح سلامت دیکھ کر اس نے اطمینان کا سانس لیا تھا۔ گولی منور خان کی ریڑھ کی ہڈی میں لگی تھی اور وہ نزع کے عالم میں تھا۔ اس نے صنوبر کی طرف دیکھا "لالہ، مجھے معاف کردینا۔" اس نے ڈوبتی ہوئی آواز میں کہا۔

صنوبر نے نفی میں سرہلادیا "تو نے جو کیا منور، وہ معافی کے قابل نہیں ہے۔ تو ہماری دعاؤں کے لائق بھی نہیں رہا ہے۔"

دیکھتے ہی دیکھتے منور خان کی آنکھیں پتھرا گئی تھیں۔ نینا جو اس دوران میں آہستگی سے پیچھے کھسک رہی تھی۔ اچانک، کچی سرنگ کی طرف بھاگی۔ اسے معلوم تھا کہ درخت میں آگ جل رہی تھی لیکن وہ جان بچانے کے لیے آگ کے دریا سے گزرنے کو تیار تھی۔ اسد قدرے تاخیر سے اس کے پیچھے بھاگا اور اسے کچی سرنگ میں گھسنے کا موقع مل گیا جو دھوئیں سے بھری تھی۔ وہاں حدت بھی تھی۔ اسد چند گز سے زیادہ آگے نہیں جاسکا تھا۔ مجبوراً اسے لوٹنا پڑا تھا لیکن نینا نہیں پلٹی تھی۔ وہ واپس آیا تو صنوبر آمنہ کو اوپر لے جاچکا تھا اور وہاں جابر موجود تھا۔ اسد نے اسے ہدایت دی کہ لاشوں کو اوپر لایا جائے اور پولیس کو آگاہ کیا جائے۔

اوپر آمنہ سے بچے لپٹے ہوئے تھے۔ صنوبر ایک طرف تھکا ہوا بیٹھا تھا۔ اس کی کیفیت سمجھ میں آنے والی تھی۔ اسے ایک وقت کئی صدمے ہوئے تھے اور چند لمحے پہلے اس نے اپنے سگے بھائی کو گولی ماری تھی۔ اسد باہر نکلا تو اسے خدشہ تھا کہ عورت کہیں درخت والے راستے سے فرار ہو ہی نہ جائے لیکن جب وہ درخت کے پاس پہنچا تو وہاں ایک عبرت ناک منظر موجود تھا۔ نینا جلتے درخت کے تنے کے دراڑ سے نصف سے زیادہ باہر آگئی تھی۔ اس سے آگے آنے کی اسے دستِ اجل نے اجازت نہ دی تھی۔ وہ بری طرح جل چکی تھی کہ اس کی صورت نہیں پہچانی جارہی تھی اور باقی ماندہ لاش بھی رفتہ رفتہ جل رہی تھی۔ وہ ہندو تھی اور قدرت نے اس کے لیے انوکھی چتا فراہم کردی تھی۔

○☆○

آمنہ نے گاڑی ہائی وے سے گاؤں کی طرف جانے والی سڑک کی طرف موڑی تو اسے دور تک لہلہاتی فصلیں نظر آئیں۔ یہ جدید طرز کا فارم تھا جس میں لوگ مشینوں سے کام کررہے تھے۔ آمنہ گاڑی بڑی حویلی تک لے گئی۔ گاڑی رکنے سے پہلے ہی احمر، ارشد اور شینا کود کر اندر کی طرف بھاگے تھے۔ آمنہ گاڑی سے اتری تو اسے قریب ہی اسد کھڑا نظر آیا۔ وہ غور سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"کیسی ہو؟" اسد نے پوچھا۔

"اچھی ہوں۔" اس نے کہا۔

"یہ تو میں بھی جانتا ہوں۔" اسد نے کہا "تم واقعی بہت اچھی ہو۔"

آمنہ کو اپنا چہرہ تپتا ہوا محسوس ہوا تھا۔ اسد نے دوبارہ کہا "تمہیں معلوم ہے کہ چچا نے تمہیں کیوں بلایا ہے۔"

آمنہ نے نظریں جھکا کر کہا "کسی حد تک۔"

اسد نے گہری سانس لی "اسی وجہ سے میں یہاں تمہارا انتظار کررہا تھا۔ دیکھو آمنہ، شادی میرے نزدیک رضامندی کا معاملہ ہے۔ اگر تم چچا جان کی بات سے متفق نہ ہو تو بلا تکلف انکار کردینا۔"

"میں ان سے متفق کیوں نہیں ہوں گی۔" آمنہ نے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا تو پہلی بار اسد کو اس کی آنکھوں میں کچھ نظر آیا۔ اس کے سنگلاخ چہرے پر مسکراہٹ نمودار ہوئی جو آمنہ کو بہت اچھی لگی تھی پھر وہ شانہ بہ شانہ حویلی کی طرف بڑھ گئے تھے۔

□□